بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے حروف روشنی بانٹیں گے حشر تک
دنیا کرے گی یاد مجھے زندگی کے بعد
(ناصر ملک)

تقسیم کنندہ:
رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

فون: 0336-2085325 0345-2610434

زیرِ مطالعہ کتاب نقاد و شاعر شبیر ناقِدؔ کے ایما پر شائع کی گئی ہے اور اس کے جملہ حقوق اور متن کی تمام تر ذمہ داری انہی کو مستحسن ہے۔ پبلشر یا پرنٹر قطعاً ذمہ دار نہیں۔ ادارہ اردو سخن ڈاٹ کام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین تک بہترین اور اغلاط سے پاک ادبی مواد پہنچایا جائے اور اس ضمن میں ہر امکانی کوشش کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاہم غلطی کی نشاندہی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستی کی جائے۔ (ادارہ)

۲۰۲۳ء کی پاکستانی ادبی مطبوعات کے تحقیقی وتنقیدی اور تجزیاتی تبصرات کا سیر حاصل مطالعہ

ادبیاتِ ارضِ پاک

(حصہ اول)

شبیر ناقدؔ

www.urdusukhan.com

u اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: ادارہ فکرو دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار لاہور

ادبیاتِ ارضِ پاک (حصہ اول)

شبیر ناقدؔ
معرفت پروفیسر ظہور احمد فاتح، نزد تعمیرِ نو اکیڈمی
کالج روڈ، تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازیخان (پنجاب۔ پاکستان)
رابطہ فون: ۰۳۴۲-۵۲۳۷۶۳۶ ۰۳۰۳-۹۲۹۷۱۳۱ ۰۳۳۳-۵۰۶۶۹۶۷

اُردو سخن

استحقاق: تمام تصرفات ''شبیر ناقدؔ'' کی تحویل میں ہیں

ناشر: اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان
نمودِ اول: ۲۰۲۴ء

کمپوزنگ: محمد شہریار ناصر
سرورق: ناصر ملک
طباعت: شیرِ ربانی پریس، ملتان
قیمت: ۱۲۰۰ روپے (۵۰ یورو، ۵۵ ڈالر)

www.urdusukhan.com

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: ادارہ فکرو دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار لاہور

انتساب

پاکستانی ادب کے نام
جو بتدریج اپنی ارتقائی منازل طے کر رہا ہے

فہرست

۱۔ محبت جاودانی ہے	۹
۲۔ شاعر علی شاعرؔ کی نعتیہ شاعری کا فکری و فنی تجزیہ	۱۳
۳۔ پانچ صاحبِ اسلوب شاعر (منتخب کلام)	۱۵
۴۔ اقبال عظیم کی غزلیات کا موضوعاتی مطالعہ	۱۹
۵۔ رنگِ ادب	۲۳
۶۔ زنجیریں	۲۵
۷۔ شاعر علی شاعرؔ کے ناولوں کا موضوعاتی مطالعہ	۲۸
۸۔ اُتم دروہی (سرائیکی شعری مجموعہ)	۳۰
۹۔ تنقیدی اشارے	۳۳
۱۰۔ گنجینۂ نور (مجموعہ حمد و نعت)	۳۵
۱۱۔ میں پاکستانی ہوں	۳۷
۱۲۔ جہانِ غم (غزلیات و نظمیات)	۳۹

۱۳۔	شاہدہ لطیف کا تخلیقی ارتقا	۴۲
۱۴۔	ہائی کائی	۴۶
۱۵۔	آتشِ زیرِ پا (کتابی سلسلہ)	۴۹
۱۶۔	شعر و ادب (باقیاتِ ہارون)	۵۲
۱۷۔	کسی اور کا دکھ	۵۷
۱۸۔	غالب سرائی	۶۰
۱۹۔	فسوں زار	۶۳
۲۰۔	چراغِ زندگی	۶۵
۲۱۔	وارداتِ قلب (سفرنامۂ حج)	۶۷
۲۲۔	لکھنا منع ہے (طنز و مزاح)	۶۹
۲۳۔	رنگِ ادب (کتابی سلسلہ نمبر 63)	۷۲
۲۴۔	ہم ابھی رستے میں ہیں	۷۳
۲۵۔	قریۂ شب	۷۵
۲۶۔	پروفیسر ہارون الرشید؛ حیات و خدمات	۷۹
۲۷۔	پاکستان کے نعت گو شعراء (تذکرہ جلد پنجم)	۸۰
۲۸۔	سورج کی طرح روشن روشن (کالموں کا مجموعہ)	۸۲
۲۹۔	گزشتہ	۸۴
۳۰۔	ابوالبیان ظہور احمد فاتح کی ترجیحاتِ فکر و فن	۸۷
۳۱۔	با اہتمامِ جنوں	۹۰
۳۲۔	فاصلوں سے ماورا	۹۴
۳۳۔	ایک ہی منزل (افسانوی مجموعہ)	۹۹
۳۴۔	میری آواز (کالموں کا مجموعہ)	۱۰۲
۳۵۔	نئی زندگی (ناول)	۱۰۴
۳۶۔	کلیاتِ شبیر ناقدؔ (حصہ اول) اردو	۱۰۶

۳۷۔	سخن سخن جسارت	۱۱۲
۳۸۔	ڈاکٹر شہناز مزمل کے تخلیقی آفاق	۱۱۵
۳۹۔	احمد ندیم قاسمی خاکوں اور یادوں میں	۱۱۷
۴۰۔	کتابِ دوستاں (تنقیدی مضامین)	۱۱۹
۴۱۔	ثمر حیات کا (شعری مجموعہ)	۱۲۱
۴۲۔	دانستہ (اردو دیوان)	۱۲۸
۴۳۔	اکیسویں صدی کا اقبال، ڈاکٹر سید قاسم جلال	۱۳۳
۴۴۔	تاریخِ اسلام کی روشنی میں تصوف کا ارتقا	۱۳۸
۴۵۔	فلک نشیں لوگ (تذکرۂ رفتگاں)	۱۴۲
۴۶۔	نگاہِ صداقت (شعری مجموعہ)	۱۴۴
۴۷۔	آسودگی (شعری مجموعہ)	۱۴۹
۴۸۔	ایک ممتاز مقام پر متمکن ادیب و شاعر ممتاز راشدؔ لاہوری	۱۵۳
۴۹۔	بالڑیاں تے بالاں دے رسولؐ (پنجابی سیرتِ رسولؐ)	۱۵۵
۵۰۔	شاکر نظامی ایک کہانی (شخصیت اور فن)	۱۵۶
۵۱۔	ساڈا سوہنا پاکستان (پنجابی)	۱۵۷
۵۲۔	میزانِ کتب	۱۵۸
۵۳۔	محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وفا	۱۶۰
۵۴۔	عکسِ اذہان	۱۶۱
۵۵۔	سیدنا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (نعتیہ مجموعہ)	۱۶۳
۵۶۔	پرکار (شعری مجموعہ)	۱۶۶
۵۷۔	کتاب گھر (تبصراتِ کتب)	۱۶۸
۵۸۔	عصری ادب اور تنقیدی رویے (مضامین و تبصرات)	۱۷۰

(۱)

کتاب: محبت جاودانی ہے

شاعر/مصنف: اشرف علی اشرف

رابطہ فون: 0302-3219294

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 176

قیمت: 600 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

اشرف علی اشرف جہانِ شعر و ادب میں نو وارد نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں نو آموز کہا جا سکتا ہے۔ ان کا اولین شعری مجموعہ ''مجھے پھر سے محبت ہو گئی تو'' 2016ء میں منظر عام پر آیا اور دوسرا شعری مجموعہ ''محبت آخری حل ہے'' دسمبر 2022ء میں منصۂ شہود پر آیا جبکہ ''محبت جاودانی ہے'' ان کا تیسرا مجموعہ کلام ہے۔ ان کے مجموعہ ہائے شعر کے عنوانات سے یہ حقیقت بخوبی آشکار ہوتی ہے کہ محبت ہی ان کا بنیادی اور آفاقی موضوع ہے۔ فلسفہ محبت کے حوالے سے شاعرِ مالوف کا نکتۂ نظر یہ ہے۔

''میرا ماننا ہے کہ اس کرۂ ارض پر اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہے۔ محبت زندگی

اور کائنات کی انو کی تشریح ہے۔محبت ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان اپنی ظاہری، باطنی اور حقیقی شکل دیکھتا ہے۔یہی کائنات کا سب سے بڑا کرشمہ ہے۔''

(پیش لفظ۔ص:11)

معروف شاعر و ادیب اور ناشر و مدیر شاعرِ کتاب مذکور کے حوالے سے اپنے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

''شاعری میں تخیل کی بڑی اہمیت ہے لیکن تخیل کیلئے ضروری نہیں کہ کسی نئی بات یا نئے خیال کو پیش کیا جائے۔شاعر پرانی بات سے بھی کوئی نئی بات یا انوکھا خیال پیش کر سکتا ہے تو اس کی یہ ادا سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔بلا مبالغہ میں نے اشرف علی اشرف کے کلام کا مطالعہ کیا تو بڑا خوشگوار تجربہ ہوا کہ انہوں نے اپنی شاعری میں نئی بات بھی کی ہے اور انوکھا خیال بھی پیش کیا ہے اور پرانی بات سے نئی بات بھی وجود میں لائے ہیں۔''

(ص:13)

شاعر علی شاعرؔ کی گراں قدر رائے سے نہ صرف تخلیقیت کی سطح اجاگر ہوتی ہے بلکہ روایت و جدت کے سنگم کا احساس ہوتا ہے۔جسے آپ کلاسیکیت اور جدیدیت کے امتزاج کا نام دے سکتے ہیں۔

اشرف علی اشرف نے مجموعہ ہذا کے انتساب کو منظوم کیا ہے جو ان کے والدین کے نام ہے۔انہوں نے اپنے اس منظوم انتساب کو دو قطعات کی صورت دی ہے۔پہلا قطعہ والدہ کے حوالے سے ہے جو بحر ہزج مثمن سالم میں ہے جس کے عروضی ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن ہیں جبکہ دوسرا قطعہ والد صاحب کی نسبت سے ہے جو بحر خفیف مسدس مخبون محذوف میں ہے جس کا عروض وزن فاعلاتن مفاعلن فعلن ہے۔بحر ہذا کا شمار بحورِ مرکب سالم و مزاحف میں ہوتا ہے جبکہ اول الذکر بحر کا شمار بحورِ مفرد میں ہوتا ہے۔

اس کتابِ شعر میں غزلیات کا تناسب زیادہ ہے۔منظومات کی ہیئتوں میں نظمِ معریٰ، نظمِ

آزاد اور پابند نظم شامل ہیں۔ ان میں کچھ شخصی نوعیت کی نظمیں بھی ہیں جو غزل کی ہیئت میں ہیں۔ غزل کی ہیئت بھی نظم کا عصرِ حاضر کا مقبول ترین انداز قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس نے نظم کی کلاسیکی ہیئتوں، مثنوی، ثلاثی، مسدس، مخمس، قطعہ بند، ترکیب بند اور ترجیع بند کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے ہاں نظم کا قطعہ بند انداز بھی ملتا ہے۔

ان کی شعریات میں نادر قوافی اور ردیفوں کا استخدام قرینہ کاری کا مظہر ہے۔ اشرف علی اشرف کے اس مجموعہء شعر میں اگرچہ باضابطہ طور پر حمد و نعت کا اہتمام نہیں کیا گیا مگر اس حوالے سے اشعار ضرور ملتے ہیں۔ یہی معاملہ منقبت نگاری کے حوالے سے بھی کارفرما ہے۔ ان کی فکریات میں محبت ایک مرکزی تلازمے کے طور پر سامنے آئی ہے جس کی بیشتر نوعیت مجازی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے ہاں صرف داستانِ لب و رخسار کی رنگینی ہے بلکہ ان کے فحوائے بیاں میں دیگر عصری مقتضیات بھی بہ حسن و خوبی ملتی ہیں جن میں سعیِ پیہم کا حسیں آدرش بھی کارگر ہے۔ بقول راقم:

سعیِ پیہم کے سبب جو شخص ہوتا ہے امر
مہر وہ انساں لگاتا ہے جبینِ وقت پر

ان کے فکری کینوس میں اپنے وطن کی محبت اور بوباس رچی بسی ہوئی ہے۔ گویا ان کے ہاں حب الوطنی کا ایک صحت مند حوالہ پایا جاتا ہے۔

ان کا اسلوب سادگی کا مظہر ہے جس سے ان کی مدعا نگاری کا قرینہ آشکار ہوتا ہے۔ انہوں نے سہل نگاری کی روایت کو تقویت بخشی ہے۔ اس لیے ان کے ہاں مرکبات کا التزام معدوم تو نہیں ہے البتہ مفقود ضرور ہے۔ انہوں نے فکری و فنی اور لسانی ہر نوع کی دقیقہ سنجی سے شعوری طور پر گریز کی راہ اختیار کی ہے۔ اس لیے ان کے فحوائے شعر میں ابلاغیت کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ یوں وہ اپنے قاری کے حواس کو مستعد کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے سخن میں ایک جاذبیت اور اپنائیت کی فضا محوِ ارتقا ہے۔

اگر عروضی حوالے سے بات کی جائے تو انہوں نے بحر ہزج مثمن سالم، بحر خفیف مسدس

مخبون محذوف، بحر متدارک مثمن سالم، بحر ہزج مسدس سالم، بحر رمل مسدس محذوف، بحر ہزج مسدس محذوف، بحر رمل مثمن محذوف مخبون، بحر رمل مثمن محذوف، بحر رجز مثمن سالم، بحر اوفر مثمن سالم، بحر اوفر مسدس محذوف مخبون اور بحر ہزج مربع سالم میں طبع آزمائی کی ہے اور عروضی تلازمات کا اہتمام بہ حسن وخوبی کیا ہے۔ البتہ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ عروض کے میدان میں انہیں ریاضتِ بسیار درکار ہے۔ جہاں ان کی شاعری کے حوالے سے ارتقائی شواہد ملتے ہیں وہاں بنیادی شعری مسائل بھی آشکار ہو رہے ہیں۔

جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے تو ان کے فکری کینوس میں دیگر سماجی ادراکات کے پہلو بہ پہلو تنقیدی رویے بھی ملتے ہیں جو ایک حوصلہ افزا امر ہے۔ ان کے ہاں خرد کے مقابلے میں جنون کی بالا دستی محسوس ہوتی ہے۔ جس سے جنوں کا ماورائی کردار سامنے آتا ہے۔ یوں ان کے شعری خصائص میں شدتِ احساس اور زورِ بیان بھی موثر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ طولِ بیاں کا خوف مانع ہے اور قاری کی طبعِ نفیس کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ہے، اس لیے اب ہم ان کے نمونہء کلام پر اکتفا کرتے ہوئے اجازت کے خواستگار ہیں۔ ہاں البتہ اس امر کی تائید ضرور کرتے ہیں کہ اگر میدانِ شعر میں ان کی کشیدِ جاں کا عمل جاری و ساری رہا تو وہ نئے امکانات کے ابواب وا کرنے میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے۔

ہمارے عہد کے شاعر ذرا نکمے ہیں
انہیں تو کوئی یہاں کام پر نہیں لیتا
(ص:26)

خرد جنوں سے نظریں ملا نہیں سکتی
میں ایک ذرے میں آفتاب دیکھتا ہوں
(ص:27)

ہم تو وہ ہیں کہ زمینوں کی محبت کے سبب
ظلم تو سہہ لیا پر گاؤں سے ہجرت نہیں کی

(ص:28)

تو مری تیسری محبت ہے
کون کہتا ہے آخری ہو گی ؟

(ص:31)

میں تین پہر سے بیٹھا ہوا ہوں قبر کے پاس
اب کرب سمیٹو کہ میں چلا بابا

(ص:32)

مرے شہروں میں نفرت ناچتی ہے
تو جنگل کا اعادہ کر لیا کیا

(ص:34)

(۲)

کتاب:	شاعر علی شاعرؔ کی نعتیہ شاعری کا فکری و فنی تجزیہ (تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اردو) شعبہء اردو، لیڈز یونیورسٹی لاہور
مقالہ نگار:	شاہد عمران
اشاعت:	جنوری 2023ء
صفحات:	152
قیمت:	600 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

شاہد عمران نے مقالہ ہذا کو انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی سے تیار کیا ہے اور اس کے مطالعہ سے بھی یہ حقیقت آشکار ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔اس حوالے سے مقالہ نگار اور نگران مقالہ ڈاکٹر عرفان توحیدی ہدیہء تبریک کے مستحق ہیں۔ پھر اسے کتابی صورت دینے میں طباعتی حسن کی نسبت سے ناشر کی خدمات بھی لائقِ تحسین ہیں۔عہدِ موجود میں اس ادارے سے چھپنے والی مطبوعات کو ہم نے اشاعتی حوالے سے ہر زاویے سے بنظر غائر دیکھا ہے جو پہلے سے کہیں زیادہ دیدہ زیب اور جاذبِ نظر مطبوعات پیش کر رہا ہے۔گویا ادارہ ہذا فروغِ کتاب و ادب کی نسبت سے ایک سنگِ میل کا کردار ادا کر رہا ہے۔

مقالہ ہذا کی تبویب کچھ یوں کی گئی ہے۔

باب اول: شاعر علی شاعرؔ؛ سوانح وشخصیت

فصل اول: سوانح

فصل دوم: عادات وخصائل درونِ خانہ

فصل سوم: حمدیہ ونعتیہ تصانیف کا تعارف

باب دوم: شاعر علی شاعرؔ کی نظم نگاری اور غزل گوئی

فصل اول: شاعر علی شاعرؔ کی نظم نگاری

فصل دوم: شاعر علی شاعر کی غزل گوئی

باب سوم: شاعر علی شاعرؔ کی نثری خدمات

فصل اول: شاعر علی شاعرؔ بطور افسانہ نگار

فصل دوم: شاعر علی شاعرؔ کی ناول نگاری

باب چہارم: شاعر علی شاعرؔ کی حمدیہ ونعتیہ شاعری کا فکری وفنی مطالعہ

فصل اول: شاعر علی شاعرؔ کی حمدیہ ونعتیہ شاعری کا فکری مطالعہ

فصل دوم: شاعر علی شاعرؔ کی حمدیہ ونعتیہ شاعری کا فنی مطالعہ

محاکمہ

کتابیات

مقالہ ہذا کے مصادر و مراجع اور اشارات اس امر کے شاہدِ عادل ہیں کہ انہوں نے اس مقالے کی پیش کش کے حوالے سے محنتِ شاقہ سے کام لیا ہے۔ چونکہ یہ ایک مشکل کام تھا، جس میں محقق و ممدوح دونوں کامیاب و کامران قرار پائے ہیں۔ امیدِ واثق ہے کہ شاہد عمران The more we get, the more we want پر عمل کرتے ہوئے اپنی تصنیفی و تالیفی سفر کو آگے بڑھائیں گے۔ یوں ان کے ادبی ارتقاء کا سفر جاری و ساری رہے گا اور ان کا نام خادمینِ ادب کی فہرست میں نمایاں اور حوالے کا استحقاق پائے گا۔

(۳)

کتاب:	پانچ صاحبِ اسلوب شاعر (منتخب کلام)
مرتب:	عماد قاصر
رابطہ فون:	0300-9352889
اشاعت:	جنوری 2023ء
صفحات:	180
قیمت:	1200 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

اردو شعری ادب شعری انتخابات کی حسیں روایت کا امین و پاسدار ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے کیونکہ اس کے چاہنے والوں نے اسے روبہ ارتقا رکھا اور تاقیات یہ تسلسل برقرار رہے گا۔ کسی بھی شعری انتخاب میں معاصر شعرا کا منتخب کلام بھی ہوسکتا ہے اور رفتگاں میں سے بھی شعرا کو جزوِ انتخاب بنایا جا سکتا ہے۔ مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ مخلوط صورتِ حال بھی ہوسکتی ہے۔ ان

تینوں صورتوں میں سے انتخاب کی کوئی بھی نوعیت ہوسکتی ہے۔ انتخاب ہذا رفتگاں کے کلام پر مشتمل ہے جن کا تعلق ماضی قریب سے ہے۔ ان شعرا میں محبوب خزاں، شکیب جلالی، غلام محمد قاصر، ثروت حسین اور جمال احسانی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان میں محبوب خزاں بہت سینئر شاعر ہیں اور باقی شعراء ستر کی دہائی میں زیادہ ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ یہ وہ پانچ شعرا ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے عہد سے اثرات قبول کیے بلکہ اپنے عہد پر اپنے اثرات مرتسم بھی کیے ہیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جس طرح ہمارے شعر و ادب سے کچھ مسائل وابستہ رہے ہیں، اسی طرح کچھ مسائل ہمارے تحقیق و تنقید کے شعبے سے بھی مربوط رہے ہیں لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سکہ بند شعرا و ادباء اور محققین و ناقدین انہیں ملحوظِ خاطر ضرور رکھتے ہیں اور اس حوالے سے احتیاط برتتے ہیں کیونکہ ان کا شمار اہلِ احتیاط میں ہوتا ہے۔ ہر عہد میں ایسے احباب کا تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ان کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اور ان کے کام کو زیادہ لائقِ تحسین سمجھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تصریح سے ہمارا مقصود و مدعا یہ ہے کہ ہر عہد میں بیشتر محققین و ناقدین جن میں ادبی مورخین بھی شامل ہیں۔ انہوں نے شعری انتخابات سے تحقیقی و تنقیدی اور تاریخی لحاظ سے ناانصافی کا رویہ روا رکھا ہے۔ یہ ناانصافی ہمیں سخت ناپسند ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس ناہمواری کا ازالہ اور مداوا کیا جائے کیونکہ انہیں از منہء رفتہ میں بہت نظر انداز کیا گیا جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اربابِ نقد و نظر شعری انتخابات کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ وہ نفسیاتی طور پر کسی بھی شعری مجموعہ میں ایک ہی سخنور کے کلام کے قائل ہوتے ہیں۔ کتاب کی مخلوط نوعیت ان کے نزدیک وحدتِ تاثر کو مجروح کر دیتی ہے لیکن ہم اس رویے کے سخت خلاف ہیں کیونکہ ادبی معاملات میں بھی ہم جمہوری اقدار و روایات کے قائل ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس کا جتنا کام ہے، اس کو کم از کم اتنا تو سراہا جانا چاہیے۔ ہمارے اس موقف میں ایک غیر جانبداری کا پہلو بھی کارفرما ہے۔

سعادت مند اولاد کسی فرخندہ نصیب کو میسر آتی ہے۔ کتابِ مذکور کے مرتب عماد قاصر

معروف شاعر غلام محمد قاصر کے فرزندِ ارجمند ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے والد گرامی کے کلام کو محفوظ کیا بلکہ دیگر عہد ساز شعرا جن میں محبوب خزاں، شکیب جلالی، ثروت حسین اور جمال احسانی کے کلام کو تاریخ کا حصہ بنایا ہے۔ اس حوالے سے عماد قاصر کو جتنی بھی داد دی جائے، اتنی ہی کم ہے۔ ربِ ادب سے استدعا ہے کہ انہیں ادب کی خدمت کے حوالے سے مزید توفیقاتِ عالیہ سے نوازے۔ آمین

اس کتاب کی خوبصورت طباعت کے حوالے سے شاعر علی شاعرؔ بحیثیت ناشر اور عماد قاصر بطور مرتب صحیح معنوں میں ہدیہء تبریک کے مستحق ہیں۔ کتاب ہذا کی مزید اہمیت واضح کرنے کے لیے مشمولہ شعرا کے حوالے سے تحقیقی وتنقیدی اور تجزیاتی آراء کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ پھر جا کر کہیں قارئین و محققین اور ناقدین پر اس کی اہمیت واضح ہوگی۔ ذیل میں مشمولہ شعراء کے حوالے سے انتقادی آراء کا اہتمام بالترتیب کیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے ہم صرف ذاتی آراء کی حد تک موقوف رہیں گے کیونکہ دیگر اربابِ نقد ونظر کی آراء تو مذکورہ کتاب سے بھی لی جا سکتی ہیں جنہیں دہرانا ہمارے خیال میں مناسبت کا حامل نہیں ہے۔

محبوب خزاں ایک غیر معمولی طرزِ اظہار کے مالک ہیں۔ وہ نظریہء شعر گفتن برائے شعر کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ شعر کا تعلق حقیقی زندگی سے جوڑتے ہیں لیکن ان کے ہاں ان کا نظریہء فن بھی نکتہء کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ یوں وہ نظریہء ادب برائے ادب اور نظریہء ادب برائے زندگی کے متناسب حامی محسوس ہوتے ہیں یعنی وہ فن کا ارتقا بھی چاہتے ہیں اور فن کے افادی پہلوؤں کے بھی قائل ہیں۔ جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محبوب خزاں ہمارے عہد کے لیے کتنے اہم ہیں اور ادبی حوالے سے ان کی کیا قدر و قیمت ہے۔

بہت ہی کم شعرا ایسے ہوتے ہیں جن پر شہرت ومقبولیت کی دیوی فریفتہ ہو جایا کرتی ہے اور وہ پھر عہد ساز کہلاتے ہیں انہیں شعرا میں سے ایک نام شکیب جلالی کا بھی ہے۔ ان کی مثال اردو شعر وادب سے پیش کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ انہیں کم عمری میں وہ پذیرائی ملی جو انگریزی شاعر جان کیٹس کے حصے میں بھی آئی تھی۔ مختلف محققین و ناقدین اس امر کا سراغ لگانے کی جستجو میں ہیں کہ

وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے شکیب جلالی کو اتنا بڑا شاعر بنا دیا لیکن اربابِ بصیرت جانتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ محرومیاں ہی انسان کو عظمت کی کسی نہ کسی معراج پر پہنچاتی ہیں۔ شکیب جلالی کے سوانحی حالات کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے اظہر من الشمس کا درجہ رکھتا ہے۔

غلام محمد قاصر کے فکر وفن کی مختلف محققین و ناقدین نے مختلف انداز میں نقاب کشائی کی اور تحقیقی و تنقیدی حوالے سے متعدد تناظرات سامنے لائے ہیں لیکن ہمارے نزدیک ان کی دو خصوصیات ایسی ہیں جنہوں نے انہیں فکر وفن کے بامِ عروج پر پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ان کے کلام میں ایک فطری حسن کارفرما ہے جس میں کسی نوع کے تصنع یا تکلف کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ان کے سخن کا فطری رچاؤ اور ان کا طبعی رجحان انہیں قاری کے مزید قریب تر کر دیتا ہے۔ ان کی دوسری خصوصیات یہ ہیں کہ انہوں نے ساغر صدیقی، مجید امجد اور محسن نقوی کی طرح حیات کی تلخیوں کو مرقوم کیا ہے۔ یوں ان کے ہاں زورِ بیاں اور شدتِ احساس جیسے فکری وفنی تلازمات کا استخدام ہوا ہے۔ ہم اپنے موقف کی تائید کے لیے ان کے دو اشعار نذرِ قارئین کر رہے ہیں جن کی بدولت ان کے نفسیاتی اعماق و آفاق کی حجاب کشائی بھی ہوگی اور حیات کی تلخیوں کی مجسم تصویریں بھی سامنے آئیں گی۔

شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے
گھستے گھستے گھس گئے آخر کنکر جو نوکیلے تھے

تم یوں ہی ناراض ہوئے ہو، ورنہ مے خانے کا پتہ
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

(ص:91)

ثروت حسین ایک ایسا شاعر ہے جس کے حوالے سے کسی کی تقلید کا کوئی تاثر اجاگر نہیں ہوتا۔ وہ فکر کے بنے بنائے راستوں پر چلنے کا روادار نہیں ہے بلکہ وہ اپنی راہیں خود تخلیق کرتا ہے کیونکہ وہ اس امر سے بخوبی آشنا ہے کہ جب تک سخن میں کلاسیکیت اور تخلیقیت کی سطح اجاگر نہیں ہوگی،

اتنے تک ادب غیر معتبر و غیر موثر ہوگا۔ یہی ان کے تخلیقی ارتقا کا راز بھی ہے کیونکہ بار بار استعمال ہونے والے گھسے پٹے راستے انہیں سخت نا پسند ہیں۔ ان کا کلام غیر معمولی خصوصیات کا حامل ہے۔شاعری میں ان کا طرزِ سخن منفرد نوعیت کا ہے۔ان کے سخن کی یہ انفرادیت انہیں سراپا انتخاب باور کراتی ہے۔

جمال احسانی ایسا سچا اور کھرا سخن وار ہے جس کے فحوائے بیاں میں ہر عہد کی حسیات و نفسیات اور سماجیات پنہاں ہیں۔اس امر کے اسباب و علل میں ان کے فکری ارتقا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ان کی شاعری میں ہر عہد کی تلخیوں کے تصویری خاکے پائے جاتے ہیں۔گویا انہوں نے روحِ عصر رقم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یوں یہ بہ حسن و خوبی کہا جا سکتا ہے کہ جمال احسانی ہر عہد کا شاعر ہے۔

ایک بار پھر ہم اس کتاب کے مرتب عماد قاصر کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جن کی بدولت قارئین اور محققین و ناقدین کو ایسے عمدہ کلام کی قرأت میسر آئی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی اہمیت ہر عہد میں تر و تازہ رہے گی۔ ہم بڑے یقین و اعتماد کی فضا میں اس امر کا اظہار کر سکتے ہیں کہ عماد قاصر کے اس طباعتی اقدام سے غلام محمد قاصر کی روح کو بھی تسکین ہوئی ہوگی اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھے ہوں گے کہ اے میرے بیٹے! تم نے حق ادا کر دیا ہے۔اے میرے بیٹے! تم نے حق ادا کر دیا ہے۔اے میرے بیٹے! تم نے حق ادا کر دیا ہے اور ان کا یہی ورد جانے کب تک جاری و ساری رہے گا۔

(۴)

کتاب: اقبال عظیم کی غزلیات کا موضوعاتی مطالعہ
(تحقیقی مقالہ برائے بی ایس اردو)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

مقالہ نگار: روبینہ شاد

رابطہ فون: 0331-5589844

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 216

قیمت: 800 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

اقبال عظیم ادب کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ کثیر المطالعہ قارئین اور محققین و ناقدین ان کے کام اور نام سے بخوبی آشنا ہیں۔ بہر حال ان کے سوانحی کوائف کا اجمال یہ ہے کہ وہ میرٹھ (یو پی) میں 8 جولائی 1913ء کو پیدا ہوئے۔ یہ وہ خطہء ارضی ہے جو ادبی حوالے سے کافی زرخیز ہے۔ یہاں مہان ادبی شخصیات نے جنم لیا۔ یہاں کے اہلِ ادب میں سے کچھ اپنے نام کے ساتھ میرٹھی کا لاحقہ بھی لگاتے ہیں۔ یوں وہ اپنی جنم بھومی کی نسبت کو فراموش نہیں کرتے۔ اس حوالے سے اسماعیل میرٹھی کی مثال بھی دی جا سکتی ہے جن کی بچوں کے شعری ادب کے حوالے سے فزوں تر اور ناقابلِ فراموش خدمات ہیں۔ مگر اقبال عظیم نے اپنے نام کے ساتھ میرٹھی کا لاحقہ نہیں لگایا کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے کام کے باعث ہی پہچانے جائیں۔

اقبال عظیم کا آبائی وطن قصبہ انبٹہ ضلع سہارن پوری ہے اور یہاں کے اہلِ ادب میں سے کچھ اپنے نام کے ساتھ سہارن پوری کا لاحقہ بھی لگاتے ہیں۔ شاعر مالوف کو لکھنو اور اودھ کا تربیتی ماحول میسر آیا جس نے ان کے تخلیقی ارتقا میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے 1934ء میں لکھنو یونیورسٹی سے بی اے کیا اور 1943ء کو آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ 1951ء، 1952ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں بطور ریسرچ سکالر کام کیا۔ 1935ء میں ٹیچرز ٹریننگ کالج لکھنو سے سندِ معلمی حاصل کی۔ ہندی اور بنگلہ بھاشاؤں میں خصوصی امتحانات بھی دیے۔ مارچ 1939ء تا جولائی 1950ء معلم سرکاری مدارس محکمہ تعلیم یو پی رہے۔ اگست 1950ء تا اپریل 1970ء

پروفیسر اور صدر شعبہ اردو ڈگری کالج ڈھاکہ اور چاٹگام رہے۔ جولائی 1966ء تا اپریل 1970ء عارضی طور پر ریسرچ آفیسر صوبائی سیکرٹریٹ مشرقی پاکستان رہے۔ (ماخوذ از مقالہء مذکور ص: 192)

اقبال عظیم کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ مشرقی بنگال میں اردو	(لسانی وادبی تذکرہ)
2۔ مضراب	(غزلوں کا پہلا مجموعہ)
3۔ قاب قوسین	(نعتوں کا مجموعہ)
4۔ دیوانِ ناطق لکھنوی	(ترتیب، تدوین وطباعت)
5۔ سات ستارے	(پاکستان کے سات معماروں کی سوانح حیات)
6۔ مضراب در مضراب	(غزلوں کا دوسرا مجموعہ)
7۔ مشرق	(مشرقی پاکستان سے متعلق مجموعہء مضامین)
8۔ ماحصل	(کلیات)
9۔ لب کشا	(نعتیں، غزلیں)
10۔ نادیدہ	(غزلیں)
11۔ اقبال عظیم	(شخصیت ومنتخب اشعار)
12۔ چراغِ آخرِ شب	(غزلوں کا مجموعہ)
13۔ زبورِ حرم	(کلیاتِ نعت)

(ماخوذ از مقالہء مذکور ص: 193)

ہم نے اقبال عظیم کی سوانحی اور تصنیفی وتالیفی معلومات اس لیے فراہم کیں کہ قارئین ومحققین اور ناقدین کو ان کی شخصیت اور فن کو سمجھنے میں کسی قدر آسانی ہو۔

مقالہ نگار روبینہ شاد نے اس مقالہ کی تیاری میں صحیح معنوں میں عرق ریزی اور جان فشانی سے کام لیا ہے۔ اس حوالے سے وہ اور ان کی نگران مقالہ ڈاکٹر حمیرا اشفاق، اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اردو بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد بجا طور پر خراجِ تحسین کا استحقاق رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے مقالے کا انتساب اپنے والد گرامی لیاقت علی شاد اور والدہ محترمہ عابدہ بی بی کے نام کیا ہے جو عمومی طور پر تحقیق کے طلبا و طالبات کی روش رہی ہے کہ وہ اپنے مقالوں کا انتساب اپنے والدین کے نام کرتے ہیں یا پھر انتساب کو اساتذۂ کرام سے منسوب کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ شاندار روایت جاری و ساری رہے۔ اس کے اسباب و علل یہ ہیں کہ اس سے ادب آداب کے تقاضے بھی آشکار ہوتے ہیں اور علم دوستی بھی نمو پذیر ہوتی ہے۔ یوں احسان فراموشی کی فضا پیدا نہیں ہوتی۔

مقالے کا پیش لفظ مقالہ نگار نے خود رقم کیا ہے اور مقالے کی تبویب کچھ یوں کی ہے:

باب اول: اقبال عظیم کی غزلوں میں تصورِ محبت

باب دوم: اقبال عظیم کی غزلوں میں تصورِ غم

باب سوم: اقبال عظیم کی غزلوں میں سیاسی و سماجی شعور

باب چہارم: اقبال عظیم کی غزلوں میں خودداری و رجائیت

ماحصل

کتابیات

ضمیمہ جات

حوالہ جات

اس مقالہ کی تیاری میں شامل کردار خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ خصوصاً مقالہ نگار اور نگرانِ مقالہ کا کردار کلیدی نوعیت کا ہے اور پھر اس مقالے کو کتابی حسن سے آراستہ کرنا یقیناً رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی کا اعزاز و افتخار ہے۔

امید ہے کہ مقالہ نگار روبینہ شاد ادب کی خدمت کا یہ تسلسل جاری و ساری رکھیں گی اور جہانِ فکر و فن میں اپنی کشیدِ جاں کے جواہر لٹاتی رہیں گی۔ ربِ ادب سے استدعا ہے کہ انہیں توفیقاتِ مزید بخشے۔

(۵)

جریدہ: رنگِ ادب
(کتابی سلسلہ نمبر 61-62)

دورانیہ: یکم جولائی 2022ء تا 31 دسمبر 2022ء

مدیرِ اعزازی: شاعر علی شاعرؔ

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 400

قیمت: 1000 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

تقسیم کار: فضلی بک، سپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی

رنگِ ادب کا ایک زرخیز و ضخیم ادبی جریدہ ہے جو عرصہ دراز سے خدمتِ ادب کی شاندار روایت قائم کیے ہوئے ہے۔ یہ ایک مقامی سطح کا ادبی جریدہ ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت قومی اور ملی نوعیت کی ہے۔ ملک کے طول و عرض سے اس میں منظوم و منثور نگارشات شامل کی جاتی ہیں۔ اس موقر جریدہ میں ادب کے تمام شعبوں کو بلا امتیاز نمائندگی دی جاتی ہے۔ یہ جریدہ ہر نوع کی گروہ بندی سے مبرا و ماورا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنا تسلسل برقرار رکھے ہوئے ہے۔

شمارہ ہذا میں مختلف شعبے قائم کیے گئے ہیں جو اس ادبی جریدے کی انتظامی استعداد کا مظہر ہیں۔ شمارے کا اداریہ مدیر اعزازی شاعر علی شاعرؔ نے خود لکھا ہے جس میں انہوں نے جریدے کے حوالے سے مختلف معاملات کی وضاحت پیش کی ہے۔ یوں وہ ادبی و سماجی اور عصری و اقتصادی مباحث کی نقاب کشائی کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے بعد رنگِ سخن کے سرنامے کے تحت حمد و نعت کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں مختلف شعراء کی حمد و نعت کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے

بعد غزل و نظم کا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ ہم قارئین کی سہولت کا احترام کرتے ہوئے تقدیسی مضامین کی تعریف کچھ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ تقدیسی مضامین سے مراد ایسے موضوعات سے متعلق مضامین ہیں جن کا تعلق مذہب و ملت سے ہو جو خود میں ایک مذہبی تقدس بھی رکھتے ہوں، وہ تقدیسی مضامین کہلاتے ہیں۔ مزید برآں رثائی ادب کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں منثور و منظوم تخلیقات شامل ہیں۔ علاوہ ازیں تنقیدی مضامین کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جو غزل و نظم کے شعبے کے بعد دوسرا وسیع شعبہ ہے۔ اس کے بعد رنگِ افسانہ کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں افسانے اور افسانچے شامل کیے گئے ہیں۔ بعد ازیں متفرقات کے سرنامے کے ساتھ طنز و مزاح کا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ مزید برآں تراجم کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جو انتہائی مختصر ہے۔

رنگِ ادب کا وسیع تر شعبہ تبصرے، تجزیے اور تاثرات ہیں جس کے مندرجات باقی مندرجات کی نسبت وسیع تر ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رنگِ ادب کا انتقادی شعبہ بہت زرخیز ہے۔ اس لیے اس کا تنقیدی حوالہ مضبوط و مستحکم ہے۔ اس کے بعد رپورٹس کا شعبہ ہے جو مختصر نوعیت کا ہے۔ اس کے بعد ایک جامع شعبہ بعنوان ''متفرقات'' قائم کیا گیا ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ رنگِ ادب تخلیق و تحقیق اور تنقید کی ایک شاندار روایت کا امین ہے۔ اس کا تمام تر اعزاز اس کے مدیر شاعر علی شاعرؔ کے حوالے سے ہے جنہیں ہم ادب کے خادمِ اعلیٰ خیال کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ وہ کوئی سیاسی یا سماجی خادمِ اعلیٰ نہیں ہیں بلکہ صرف ادب کے خادمِ اعلیٰ ہیں۔ وہ ادب کی بے لوث خدمت کے قائل ہیں اور وہ اسے روح کی ریاضت گردانتے ہیں۔ اس لیے ان کا اندازِ فکر احساسِ سود و زیاں سے ماورا ہے۔ وہ ادبی حوالے سے ملک گیر رابطوں کے حامل ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاعر علی شاعرؔ رابطے کا دوسرا نام ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ ایک مخلص انسان ہیں اور مخلص انسان ہی عظیم ہوا کرتے ہیں۔ وہ دنیائے ادب میں ایک محسن کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں کیونکہ وہ تمام اہلِ ادب سے خلوص کے رشتے کے روادار رہیں۔

شاعر علی شاعرؔ اپنے کثیر الاشاعتی طباعتی ادارے رنگِ ادب پبلی کیشنز سے ادبی حوالے سے

بہت سے کارنامے انجام دے چکے ہیں۔ بہت سے شعراء کے کلیات زیورِطباعت سے آراستہ کیے۔ مختلف شعراوادبا کے حوالے سے رنگِ ادب کے خصوصی نمبروں کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہمہ جہت شاعروادیب ہیں۔ ان کی ادبی مسافتوں میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔ ویسے تو ادب کے حوالے سے شاعر علی شاعرؔ اور رنگِ ادب کی لامتناہی خدمات ہیں جن کے لیے دفتروں کے دفتر درکار ہیں۔ ان کے حوالے سے بہت سے بی ایس، ایم ایس/ ایم فل کے تحقیقی مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں مگر ابھی تک ان کے کام کا احاطہ نہیں کیا جا سکا۔ ان کے حوالے سے تحقیقی کام کا سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے اور یہ تسلسل برقرار رہے گا۔ امیدِ واثق ہے کہ ادب کے فردائی ادوار میں شاعر علی شاعرؔ کو محسنِ ادب کے طور پر ضرور یاد رکھا جائے گا کیونکہ ان کا ہر ادبی کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے۔ اس سلسلے میں نسائی شعریات کے حوالے سے جو ایک تحقیقی وانتقادی اور تذکراتی نوعیت کا بھی ہے، جسے ''شاعراتِ ارضِ پاک'' کا نام دیا گیا ہے، کی مثال بہ حسن و خوبی دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ راقم کا یہ کتابی سلسلہ جو سات ایڈیشنوں اور دو جامع ایڈیشنوں پر محیط ہے۔ اس کا اعزاز بھی رنگِ ادب پبلی کیشنز کو جاتا ہے۔ ربِ حرف وصوت سے استدعا ہے کہ وہ ادب کے اس بطلِ جلیل کو عمرِ خضر سے نوازے اور انہیں مزید توفیقاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(۶)

کتاب: زنجیریں

(مصطفیٰ زیدی کے غیر مدون قطعات، کلام اور مضامین)

محقق ومدون: ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی

رابطہ فون: 0322-2112054 0333-3359155

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 184

قیمت: 800 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

دنیائے ادب میں بہت ہی کم لوگ تیغ الٰہ آبادی کے نام اور کام سے آشنا ہیں۔ زیادہ تر اصحابِ ذوق انہیں مصطفیٰ زیدی کے نام سے جانتے ہیں اور کچھ لوگ تو ان ناموں کو الگ الگ شخصیت کے طور پر پہچانتے ہیں۔ لیکن کچھ اربابِ فکرو دانش جو ادب کا گہرا ادراک رکھتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں بلکہ ایک ہی شخصیت کے دو شعری ادوار ہیں۔ جہانِ ادب میں لاعلمی کا تصور محققین و ناقدین، تذکرہ نگاروں اور ادبی مورخین کے سر جاتا ہے جنہوں نے تواتر سے اپنی نگارشات و تصانیف میں مصطفیٰ زیدی کو نظر انداز کیا۔ اس کے اسباب و علل کیا ہیں، یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے جسے تحقیقی انداز میں سلجھانے کی ضرورت ہے۔ البتہ یہ مسئلہ مختلف نوعیات کے سوالات کو جنم ضرور دیتا ہے کہ ان سے ہونے والی یہ ناانصافی کیا ان کی اپنی بیوروکریسی کی دین تھی اور وہ حزب القلم کے کارواں کے ہم قدم نہیں ہو پائے یا ان کے اعلیٰ افسر شاہی ذہن نے انہیں اہلِ ادب سے ہم آہنگ نہیں ہونے دیا یا پھر ان کا سماجی کردار اور شخصیت اتنی متنازعہ تھی اور انہیں اسی سبب سے نظر انداز کیا گیا یا پھر انہیں معاصرانہ چشمک کے نتیجے میں فراموش کر دیا گیا یا ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جیسے مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں مرزا غالب کو فراموش کر دیا لیکن تاریخی صداقت یہی ہے کہ مصطفیٰ زیدی اور مرزا غالب دونوں امر ٹھہرے۔ تاریخ نے مرزا غالب کو اس کی مے نوشی اور قمار بازی کے سبب فراموش نہیں ہونے دیا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصطفیٰ زیدی اپنی پراسرار موت کے سبب فراموش کر دیے گئے لیکن تحقیقی شواہد اس امر کی قطعاً معاونت نہیں کرتے کیونکہ یہ ایک مسلمہ و مصدقہ اور عالمگیر حقیقت ہے کہ ایک اچھا تخلیق کار چاہے اس کی سماجی زندگی جیسی بھی ہو، وہ تاریخ کے صفحات میں امر ہو جاتا ہے۔

مصطفیٰ زیدی کی جواں سال مرگ نے جہاں جہانِ شعر و ادب کو ناقابلِ تلافی نقصان

پہنچایا، وہاں مصطفیٰ زیدی کے حوالے سے بہت سے استفہامیہ اشارات کے امکانات بھی فزوں تر ہو گئے۔ مصطفیٰ زیدی ایک بالیدہ فکر سخن ور تھے۔ انہیں قبل از مرگ اپنے نظر انداز ہونے کا علم بھی ہو گیا تھا جس کا اعتراف بھی انہوں نے مختلف مواقع پر کیا۔ ان کے دل برداشتہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی موت کا سب سے زیادہ دکھ شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی کو ہوا کیونکہ مصطفیٰ زیدی ان سے اکتسابِ فیض بھی کرتے تھے اور ان کی صلاحیتوں کے راز داں بھی تھے۔

کتابِ مذکور ''زنجیریں'' اصل میں دوسرا ایڈیشن ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن جولائی 1947ء میں چھپا تھا۔ ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی جو اس کتاب کے محقق و مدون ہیں، اس حوالے سے سب سے زیادہ خراجِ تحسین کا استحقاق رکھتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف سابقہ ایڈیشن کو محفوظ کیا بلکہ ان کے غیر مدون قطعات کو بھی شامل کیا۔ مزید برآں انہوں نے مصطفیٰ زیدی کے تذکراتی و تنقیدی مضامین جو قارئین کے لیے ناپید و نایاب تھے، انہیں بھی شاملِ کتاب کیا۔ لہٰذا اسے ایک اضافہ شدہ ایڈیشن بھی کہا جا سکتا ہے۔ کتاب ہذا کے ناشر شاعر علی شاعرؔ رنگِ ادب پبلی کیشنز کا ذکرِ خیر نہ کرنا بھی بہت بڑی ادبی ناانصافی ہو گی۔ جنہوں نے اسے اعزازی طور پر زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے ادبی حوالے سے اجرِ عظیم کمایا ہے۔

مصطفیٰ زیدی کے معاصرین میں ان کا سب سے زیادہ اعتراف کرنے والوں میں جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض اور فراق گورکھ پوری شامل ہیں۔ کتابِ ہذا میں ان کے تاثرات بھی شاعرِ مالوف کے حوالے سے مشمولات کا حصہ ہیں۔

کتابِ ہذا کے محقق و مدون ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی ایک مضبوط و منضبط ادبی شخصیت کے طور پر دنیائے ادب میں نگاہِ استحسان سے دیکھے جاتے ہیں جو تین تصانیف اور ایک درجن تالیفات کے حامل ہیں اور وہ ادب کی خدمت کا سلسلہ احساسِ سود و زیاں سے ماورا ہو کر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی حالیہ تالیف ''زنجیریں'' ادب کی دنیا میں ایک خوب صورت اضافہ ہے۔ تالیف ہذا شعر و ادب کے قارئین کے لیے کسی سوغات سے کم نہیں بلکہ ایک خوانِ یغما کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمارے خیال میں ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی نے ادب میں زندہ رہنے والا یہ کام کیا ہے جو فردائی ادوار

میں ان کا ایک معتبر ادبی حوالہ قرار پائے گی۔ کیونکہ اس سے رفتگاں ے شعری سرمائے کو محفوظ کرنے کی ایک شاندار روایت برقرار رہتی ہے۔ ''زنجیریں'' کے توسط سے ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی نے دیگر رفتگاں کے شعری سرمائے جو ہنوز محفوظ نہیں ہوئے، ان کو بھی محفوظ کرنے کی ترغیب و تلقین دی ہے جو اہلِ ادب کے لیے ایک لمحہءفکریہ اور دعوتِ غور و عمل بھی ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

(۷)

کتاب:	شاعر علی شاعرؔ کے ناولوں کا موضوعاتی مطالعہ (مقالہ برائے ایم فل اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ)
مقالہ نگار:	نسیم اختر
اشاعت:	جنوری 2023ء
صفحات:	192
قیمت:	600 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

شاعر علی شاعرؔ ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت کا نام ہے۔ انہوں نے ادب کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ وہ ادب کی خدمت کا ایک معتبر عصری حوالہ ہیں۔ اگر انہیں خادمِ اعلیٰ کے لقب سے ملقب کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی ادبی خدمات کو حیطہء تحریر میں لانے کے لیے تو دفتروں کے دفتر درکار ہیں اور اس حوالے سے پی ایچ ڈی کے مقالے کی ضخامت بھی کم پڑ جائے گی۔ اس وقت ان کا کام اعتراف کے مراحل سے گزر رہا ہے اور مختلف یونیورسٹیوں میں ان کے حوالے سے بی ایس، ایم ایس/ ایم فل کی سطح کے تحقیقی کام ہو رہے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اعتراف اور خراجِ تحسین کی ایک عمدہ صورت ہے۔

نسیم اختر کا یہ مقالہ تحقیقی وتنقیدی حوالے سے ان کے ناولوں کا احاطہ کرتا ہے۔اس سلسلے میں مقالہ نگار اور نگرانِ مقالہ ڈاکٹر محمد عامر اقبال، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ نے انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔اسی محنت شاقہ کے باعث وہ خراجِ تحسین کا استحقاق رکھتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر مشتاق احمد امتیاز، صدر شعبہ اردو، ایسوسی ایٹ پروفیسر یونیورسٹی آف سیالکوٹ بھی صحیح معنوں میں ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی مشاوراتی معاونت کی بدولت ہی اتنا بڑا تحقیقی کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔مقالہ نگار نے مقالہ ہذا کا انتساب اپنے والدین اور اساتذہ کرام کے نام کیا ہے جو ان کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

مقالہ نگار نے اس مقالے کی تبویب کچھ یوں کی ہے۔

باب اول:	احوال وآثار
باب دوم:	گہرا زخم کا موضوعاتی جائزہ
باب سوم:	جنت کی تلاش کا موضوعاتی جائزہ
باب چہارم:	خواب گاہ کا موضوعاتی جائزہ
باب پنجم:	محاکمہ

کتابیات

مختصر تعارف شاعر علی شاعرؔ

باب اول جو احوال وآثار سے عبارت ہے، کے مندرجات میں تعارف، خاندانی پس منظر، تعلیم، آغازِ سخن، رہائش، شخصی خاکہ، عائلی زندگی، سیرت وشخصیت، اولاد، خوش گفتاری، حوصلہ مندی، پیشہ وارانہ مصروفیات، فکر وفن، انسانی زندگی کا تجربہ، زمانہ شناسی، حب الوطنی، ادبی خدمات، تفصیل ایوارڈز، موضوعات، ناول نگاری میں ادبی مقام، غزل گوئی، ادبی مقام ومرتبہ، ناولوں کے موضوعات، سماج فہمی، نسائی مسائل کی عکاسی، غیر روایتی انداز، وجہ تحقیق، معاصرین کی رائے، معاشرے کے تمام افراد کی نمائندگی، وجہِ شہرت، سماجی شعور کی عکاسی، پدرزاد معاشرہ،

پسند کی شادی کا مسئلہ، سادگی وسلاست، حقیقت پسندانہ موضوعات، محبِ الٰہی، عرفانِ ذات، فنا اور بقا، شانِ بے نیازی، ریاکاری سے اجتناب وغیرہ شامل ہیں۔ قارئین کرام! آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر بابِ اول اس قدر زرخیز ہے تو باقی ابواب کا کیا عالم ہوگا۔ امید واثق ہے کہ مقالہ نگار نسیم اختر اپنے تحقیقی سفر کو جاری وساری رکھیں گی اور یوں ادب کی خدمت ان کی تسکینِ ذات کا ذریعہ بنے گی۔

(۸)

کتاب: اُتم دروہی (سرائیکی شعری مجموعہ)

شاعر/مصنف: جاوید بخاری

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 128

واضح رہے کہ کتاب ہذا کے ضابطے والا صفحہ کتاب کی قیمت اور ناشر کا نام بتانے سے قاصر ہے، اس لیے قارئین ہماری طرف سے معذرت قبول فرمائیں۔ جاوید بخاری اردو شعری ادب اور سرائیکی شعری ادب میں نہ ہی نو وارد ہیں اور نہ ہی نو آموز ہیں۔ ان کی اردو اور سرائیکی تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ بچھڑنا بھی قیامت ہے	اردو شعری مجموعہ
2۔ تمام ناتمام ہے	اردو شعری مجموعہ
3۔ نہج البلاغہ	سرائیکی ترجمہ
4۔ نہج البلاغہ	آسان اردو ترجمہ
5۔ صحیفہء کاملہ	سرائیکی ترجمہ
6۔ دیوانِ ابوطالب	سرائیکی ترجمہ
7۔ اُتم دروہی	سرائیکی نظمیات

کتاب ہذا اسرائیکی منظومات پر مشتمل ہے جنہیں ہیئت کے اعتبار سے آزاد نظمیں کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کے تاثرات نگاروں میں سید مظہر علی تابش اور ڈاکٹر حمزہ حسن شیخ کے اسمائے گرامی شامل کیے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک مستحسن طریقہ بھی یہی ہے۔ جاوید بخاری کی شاعری عارفانہ وصوفیانہ مزاج کی حامل ہے اور انہوں نے اپنی شاعری میں رموز وعلائم بھی اسی نوعیت کے برتتے ہیں۔ ان کے سخن کو ایک طرح کی انفرادیت حاصل ہے کیونکہ وہ ایک منفرد مکتبِ فکر کے شاعر ہیں۔ اگر انہیں شبدوں کا پجاری کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک کوئی بھی لفظ متروک نہیں ہے۔ وہ ہر متروک لفظ کو نئی آن بان کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ان کا یہی قرینہ حرف کی حرمت کا ایک حسین و معتبر حوالہ ہے۔ ان کے فحوائے بیاں میں ایک روحانیت اور سرشاری کی فضا ہے جسے آپ تصوف سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔ اس کے پہلو بہ پہلو ایک اعلیٰ درجے کا سماجی شعور ہے۔ ان کی فکریات میں تہذیب وتمدن کی عمدہ عکاسی ہے۔ ان کے ہاں حزنیہ افکار وفور سے ملتے ہیں۔ وہ گوتم بدھ، میر تقی میر اور فانی بدایونی سے متاثر ہیں۔

اگر عروضی حوالے سے بات کی جائے تو انہوں نے اپنی منظومات میں بحر اوفر کو بکثرت برتا ہے جس کا سالم رکن مفعولاتن ہے۔ کچھ احباب اس بحر کو بحرِ جمیل کا نام دیتے ہیں جبکہ ہمارے نزدیک اور بحر الفصاحت از علامہ نجم الغنی رام پوری مترجم سید قدرت نقوی کے مطابق یہ ایک غلط العام عروضی معاملہ ہے۔ واضح رہے کہ بحر ہذا کا اولین تجربہ شہنشاہِ اقلیمِ سخن میر تقی میر نے کیا تھا۔ اس لیے اسے عروضی کتب میں بحرِ میر کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس بحر کا شمار بحورِ مستحدثہ میں ہوتا ہے۔ یہ بحر بحورِ مستحدثہ متفرقہ نمبر ا میں سے ہے۔ واضح رہے کہ بحورِ مستحدثہ سے مراد ایسی بحور ہیں جن کے اوزان دوسری بحور سے لیے جاسکتے ہیں۔ یہ بحریں عہدِ امیر خسرو میں عاشق صادق نامی ایک عروضی نے ایجاد کیں۔ رسالہ جامع الصنائع میں مذکور ہے۔ اگر اس بحر یا اس کے سالم رکن مفعولاتن کا جزئیاتی عروضی تجزیہ کیا جائے تو وہ کچھ یوں ہوگا۔ اصل میں مفعولاتن کیا ہے، یہ فعلن فعلن کا مرکب ہے جس کا عروضی اشتراک بحرِ متقارب سے بھی ہے اور بحرِ متدارک سے بھی ہے۔ متقارب کے لحاظ سے یہ رکن اثلم کہلاتا ہے اور بحرِ متدارک کے اعتبار سے یہ رکن مخبون کہلاتا

ہے۔حاصلِ تحقیق یہ ہوا کہ اس بحر کا عروض تطابق بحرِ متقارب اور بحرِ متدارک دونوں سے ہے۔ یوں یہ ثابت ہوا کہ یہ بحر اوفر واقعی بحورِ مستحدثہ میں سے ہے۔اتنی عروضی صراحت کی غرض وغائت یہ ہے کہ قارئین، شعراء اور محققین و ناقدین کے ہاں اس بحر کے حوالے سے جو غلط جانکاری ہے، اسے فرو کیا جاسکے۔

اب ہم یہ ناگزیر سمجھتے ہیں کہ جاوید بخاری کے سرائیکی شعری مجموعہ کلام ''اُتم دروہی'' جو منظومات پر مشتمل ہے، کی معنوی صراحت بھی کر دی جائے۔لفظ ''اتم'' اور ''دروہی'' بسیط معنوی کینوس کے حامل الفاظ ہیں۔لفظ اتم سنسکرت بھاشا کا شبد ہے جو گرامر کی رو سے اسم صفت ہے۔ جو تذکیر و تانیث دونوں صیغوں کے لیے مستعمل ہے۔جس کے مفاہیم میں سب سے اعلیٰ سب سے ارفع، کامل، پورا اور تمام تر شامل ہیں جبکہ ''دروہی'' کا لسانی تعلق ہندی بھاشا سے ہے جس کی معنویات میں التجا اور التماس کے تاثرات پائے جاتے ہیں۔ یوں اس کتاب کا معنوی گراف بہت بلند ہے۔عموماً ہمیں شعرا و ادباء سے یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ اپنی تصانیف کے صحیح نام نہیں رکھ پاتے کیونکہ یہ عمل شاعرانہ و ادیبانہ کم اور محققانہ و ناقدانہ زیادہ ہے کیونکہ کتاب کا نام رکھنے کے کچھ تحقیقی و تنقیدی ضابطے ہوتے ہیں جن سے صحیح معنوں میں ایک محقق و نقاد عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔جن سے اکثر اہلِ ادب نابلد ہوتے ہیں۔کتاب کے نام کے حوالے سے کم سے کم ضابطے یہ ہیں کہ کتاب کا نام مفرد لفظی ہو یا مرکب لفظی ہو، یعنی کم سے کم حروف اور الفاظ استعمال ہوں۔ ابلاغیت کے تقاضوں پر پورا اترتا ہو اور اپنے موضوع کا مکمل ترجمان ہو۔فکری حوالے سے کتاب کے اجتماعی یا غالب تاثر کا عکاس ہو۔کسی بھی شعری یا نثری کتاب کا نام مصرع پر مشتمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ روش نئی نسل کی بے جا لسانی رواداری و فیاضی کا مظہر ہے اور متقدمین و متوسطین کا سا مزاج رکھنے والوں کے لیے سخت ناپسندیدہ ہے اور ادب کے کلاسیکی مزاج کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ادب کا حقیقی مزاج ہی کلاسیکی ہے اور ادب میں بے بنیاد جدت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔کچھ احباب اپنے غیر منطقی دفاع کی غرض سے کلاسیکیت کی مخالفت کرتے ہیں۔یوں ان کی جھوٹی وضع داری کا بھرم برقرار نہیں رہتا۔امید ہے کہ قارئین ہمارے موقف کو بہ حسن وخوبی

سمجھ گئے ہوں گے۔

جہاں تک جاوید بخاری کی کتاب ''اتم دروہی'' جو سرائیکی نظمیات کا مخزن ہے، کے نام کی معنویت میں بے پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔گویا کتاب ہذا کا نام عجز وانکسار کا معتبر استعارہ ہے اور یہی خصوصیت اعلیٰ و ارفع ادب کا مزاج ہے۔ بہرحال طولِ بیاں کا خوف مانع ہے کیونکہ ہمیں قاری کی طبعِ نفیس کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ہے۔جاوید بخاری کا یہ شعری مجموعہ سرائیکی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے جو قاری کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ بھی ہے اور اسے ایک خوانِ یغما کا درجہ بھی حاصل ہے۔

امید ہے کہ جاوید بخاری اسی سرعت کے ساتھ اپنا ادبی سفر جاری رکھیں گے اور مشیت کی طرف سے انہیں ادب کی خدمت کی توفیقاتِ عالیہ بھی ودیعت کی جائیں گی۔یوں ان کا تخلیقی ارتقا تسلسل سے جاری وساری رہے گا۔

(۹)

کتاب: تنقیدی اشارے

مصنف: شاعر علی شاعؔر

رابطہ: 0345-2610434

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 320

قیمت: 2000 روپے

ناشر: سٹی بک پوائنٹ، کراچی

شاعر علی شاعؔر ایک ہمہ جہت اور ہمہ گیر ادبی شخصیت کا نام ہے اور ان کی ہر جہت منفرد و بے مثال ہے۔وہ ملکی سطح کے ادبی حوالے کے حامل ہیں بلکہ وہ اردو ادب کی خدمت کی نسبت سے بین

الاقوامی حوالے کی طرف انتہائی سرعت سے پیش رفت کررہے ہیں اور ان کی منازل قریب تر آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور مسافتیں ہیں کہ سمٹتی جارہی ہیں۔اس مختصر سے تجزیے اور تبصرے میں ان کی ادبی خدمات کی تفاصیل شامل کرنا ممکنات کا حصہ نہیں ہے کیونکہ طولِ بیاں کا خوف مانع ہے اور قاری کی طبعِ نفیس کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ہے۔ان کی یہ تصنیف فکری و فنی اور ہیئتی اعتبار سے تین تلازمات پر مشتمل ہے جنہیں آپ تلازماتِ ثلاثہ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔یہ تلازمات تنقیدی مضامین، مختصر اظہارِ خیال اور انٹرویوز پر مبنی ہیں۔ان میں سے بیشتر مواد ایسا ہے جو شاعر علی شاعرؔ نے قبل ازیں کسی نہ کسی کتاب کے لیے مرقوم کیا ہے۔یوں وہ اس کتاب کی صورت میں اپنے ادبی اثاثے کو محفوظ و مامون کرنے میں کامیاب و کامران ہوئے ہیں۔کتاب ہذا کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوتی ہے کہ وہ منفرد ادبی اپچ اور مزاج کے حامل ہیں۔یہی انفرادیت ان کی مقبولیت و پذیرائی کا جواز و اسرار ہے۔

اس کتاب کے مندرجات کی مکمل نقاب کشائی تو اس مختصر تبصرے میں ممکن نہیں ہے البتہ اجمالی انداز میں فہرست کے کچھ انتظامی شعبوں کے حوالے سے کچھ اشارات ضرور نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں۔فہرست کے آغاز میں تنقیدی مضامین کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں پندرہ شذرات شامل ہیں۔جن کی نوعیت بیک وقت تحقیقی وتنقیدی، تجزیاتی وتبصراتی اور تذکراتی ہے۔فنی اعتبار ع سے ان تمام خصوصیات کا اجتماع کارِ فرہاد کے مثیل ہے۔اس کے بعد تقدیسی مضامین کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں دو درجن مضامین شامل ہیں۔جن ادبی شخصیات کے حوالے سے یہ مضامین لکھے گئے ہیں، ان کا تعلق پاکستان کے طول وعرض سے ہے۔ بلکہ ایک شاعر ایسا بھی ہے جس کا تعلق بھارت سے ہے۔اس سے شاعر علی شاعرؔ کے دائرۂ کار کی وسعت کا تعین بہ حسن وخوبی ہوتا ہے۔مزید برآں مختصر اظہارِ خیال کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس کے مندرجات کا تعداد ایک سو انیس ہے۔گویا یہ شعبہ کتاب کے بیشتر مواد کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر علی شاعرؔ نے پاکستان کے تمام ادبی حلقوں کے حوالے سے بلاتعصب و بلا امتیاز اور غیر جانبداری سے کام لیا ہے۔کتاب کے آخر میں انٹرویوز کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں تین انٹرویو

مندرجات کا حصہ ہیں۔ پہلا انٹرویو ممتاز شاعر حمایت علی شاعر کے حوالے سے ہے جبکہ دوسرا انٹرویو معروف ادیب وصحافی محترمہ حمیرا اطہر کے حوالے سے ہے۔اس سلسلے کا آخری انٹرویو ڈاکٹر نزہت عباسی کے حوالے سے ہے جو پاکستان کے شعری حلقوں میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتی ہیں۔

کتاب ہٰذا کے غائرانہ تحقیقی وتنقیدی مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ تصنیف ہٰذا اردو دنیا کے تحقیقی وانتقادی، تجزیاتی وتبصراتی اورتذکراتی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ہم یقین واعتماد کی فضا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ادب کے فردائی ادوار میں بھی اس کتاب کی بازگشت تواتر سے سنائی دیتی رہے گی۔ اہلِ ذوق اور اہلِ ادراک اس کا مطالعہ بھی کرتے رہیں گے اوراسے سراہتے بھی رہیں گے۔

(۱۰)

کتاب: گنجینۂ نور (مجموعہ حمد ونعت)

شاعر/مصنف: شادابؔ صدیقی

رابطہ فون: 0334-3996135 021-33396658

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 120

قیمت: 400 روپے

ناشر: الحمد پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0322-2830957

اردو شعر و ادب حمد ونعت کی شاندار روایت کا امین ہے۔جس کے ارتقا میں متقدمین و متوسطین اور متاخرین نے مقدور بھر اپنا حصہ ڈالا ۔ یہ ایک ایسا مبارک و بابرکت سلسلہ ہے جو

مذہبی تاثر کا حامل ہونے کے باوجود اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گلشنِ حمد ونعت کی آبیاری میں غیر مسلم شعرا وشاعرات نے بھی مقدور بھر کردار ادا کیا۔

شادابؔ صدیقی بھی اپنے معاصر شعرا کے پہلو بہ پہلو حمد ونعت نگاری کے اس تسلسل کو برقرار رکھے ہوئے ہیں جسے ان کا بھرپور مذہبی وملی جذبہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں اور عرصہء دراز سے مشقِ سخن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بڑے اعتماد کی فضا میں شعر کہہ رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ قارئینِ سخن کو چار شعری مجموعوں سے نواز چکے ہیں جو ''آتشِ پنہاں''، ''غم میری جاگیر''، ''جھیل کنارے'' اور ''دشتِ بے کنار'' سے موسوم ہیں۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام کے ناموں سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شعری مجموعوں کے نام رکھنے کے ضابطوں سے بخوبی آشنا ہیں اور اس کی نفسیات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے حمد ونعت کے اس مجموعے کے حوالے سے تاثرات نگاروں میں ابوالبیان ظہور احمد فاتح، امین جالندھری اور راقم الحروف شامل ہیں۔ ہر تاثر نگار نے شادابؔ صدیقی کی حمد ونعت کے کسی نہ کسی فکری وفنی پہلو کو اجاگر کرنے کی سعیِ مشکور کی ہے۔ ان کی حمد ونعت کے اس مجموعہ میں چھیالیس حمدیات، پانچ حمدیہ نظمیات اور چوالیس نعتیں شامل ہیں جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ کتابِ ہذا حمد ونعت کے سرمائے سے کس قدر معمور ہے۔

شادابؔ صدیقی کا وصفِ خاص یہ ہے کہ ان کا شعری اسلوب سہلِ ممتنع کے قریب تر ہے۔ یعنی وہ سہل نگاری کی روایت کو زندہ وتابندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حمد ونعت میں ابلاغیت کے فزوں تر امکانات موجود ہیں۔ وہ فکری ولسانی ہر حوالے سے ہر نوع کی دقیقہ سنجی سے شعوری طور پر گریز کرتے ہیں اور قارئینِ شعر کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت وآسانی کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی حمد ونعت میں بسا اوقات قرآنی واحادیثی ماخذات کے پہلو بہ پہلو تاریخی ادراکات بھی درآتے ہیں۔ یوں ان کی حمد ونعت کا فکری کینوس بسیط وعریض ہو جاتا ہے۔ ان کے سخن میں معروضیت ومنطقیت اور معقولیت واستدلالیت کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ یوں ان کی حمد ونعت میں مقبولیت ودل پذیری کے زیادہ امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ عشقِ

حقیقی میں ڈوب کر حمد کہتے ہیں اور عشقِ مصطفوی میں حالتِ استغراق میں نعت نگاری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان کی حمد و نعت سراپا آمد ہیں۔ کہیں بھی کسی نوع کے تصنع و تکلف کا احساس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حمد و نعت میں ایک فطری رچاؤ کارفرما ہے۔ ان تمام تر خصوصیات کے باوجود یہ ذکر کرنا بھی ناگزیر ہے کہ انہیں عروضی معاملات پر پہلے سے کہیں زیادہ گرفت کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عروضی تلازمات کا استخدام بہ حسن و خوبی ہو سکے اور ان کی حمد و نعت فنی حوالے سے مزید نکھر کر سامنے آ سکے۔ جہاں تک فکریات کا معاملہ ہے تو انہیں اس حوالے سے مزید بالیدگی درکار ہے۔ اگر جہانِ حمد و نعت میں ان کی کشیدِ جاں کا یہی تسلسل رہا تو وہ حمد و نعت کے مزید اعماق و آفاق کے ابواب وا کرنے میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے اور حمد و نعت کے ایک معتبر حوالے کا استحقاق پائیں گے۔

(۱۱)

کتاب: میں پاکستانی ہوں

شاعر/مصنف: شاہدہ لطیف

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 192

قیمت: 800 روپے

ناشر: ماورا پبلشرز، لاہور

رابطہ: 0300-4020955

شاہدہ لطیف ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت کا نام ہے جن کے ادبی کارنامے تاریخِ ادبیات کا حصہ ہیں۔ معشرِ اناث میں کسی بھی بنتِ حوا کے حصے میں اتنی مقبولیت و پذیرائی نہیں آئی جتنی ان کے حصے میں آئی ہے۔ پاک دھرتی کے سپوت کی حیثیت سے ہم اس امر پر پختہ یقین رکھتے ہیں

کہ جسے مشیت کی طرف سے وطن کی محبت ودیعت کی گئی، اسے خیرِ کثیر سے بھی نوازا گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاہدہؔ لطیف کی فتوحات اور کامرانیاں دراصل وطن کی محبت کا ثمرہ ہیں۔ ڈیڑھ درجن سے زائد مختلف حوالوں کی حامل تصانیف ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مزید برآں ماہنامہ ''اوورسیز انٹرنیشنل'' اسلام آباد کی بائیس سالہ صحافتی خدمات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی انہی خدمات کے باعث 2013ء میں حکومتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان نے انہیں صدارتی اعزاز (ادب وصحافت) برائے حسنِ کارکردگی سے نوازا۔

''میں پاکستانی ہوں'' ان کا ایک قومی حوالے کا حامل شعری مجموعہ ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ دوبار زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اولاً اس کی اشاعت اگست 2000ء میں ہوئی اور ثانیاً اسے جنوری 2023ء میں شائع کیا گیا۔ تصنیف ہذا کی بدولت وہ پاکستانیت کے تشخص اجاگر کرنے میں خاطر خواہ حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔ مجموعہ ہذا میں غزلیات ونظمیات دونوں کو وفور حاصل ہے۔ کتاب ہذا کے تاثرات نگاروں میں ڈاکٹر حمید الفت ملغانی اور ناصر زیدی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ڈاکٹر حمید الفت ملغانی نے ''وطن دوست شاعرہ'' کے سرنامے کے تحت لکھا ہے جبکہ ناصر زیدی نے ''پاکستانیت کی لہر'' کے عنوان کے تحت مرقوم کیا ہے۔

کتاب ہذا ماورا پبلشر لاہور کا شہکار محسوس ہوتی ہے۔ خوب صورت رنگوں کا امتزاج قوسِ قزح کے رنگ لیے ہوئے ہے۔ اسلم کمال کے ٹائٹل نے اسے مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔

قارئین کے ذوقِ مطالعہ کی نذر مجموعہ ہذا سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

وطن کی خاک کو سر پر سجا کے نکلی ہوں
میں آنچل اپنا ہی پرچم بنا کے نکلی ہوں
(ص:33)

ہر چند گھومتی رہی دنیا میں شاہدہ
پر ذہن اپنے مرکز و محور کے پاس تھا

(ص:36)

آئینہ ء حیات نکھارا ہے میں نے خود
یوں دوسری صدی بھی بسر کر رہی ہوں میں

(ص:37)

دفاعِ ملک و ملت کے لیے دیوار بن جائیں
مرے بازو کو فقط بازو نہ ہوں تلوار بن جائیں

(ص39)

ہم لوگ سدا اس میں سر افراز رہیں گے
راشد سے اگر ملک میں جانباز رہیں گے

(ص:47)

مرے لیے تو اس کی مٹی سونا ہے
پاکستان کا ہونا میرا ہونا ہے

(ص75)

شاہدہ لطیف کے مجموعہء شعر ’’میں پاکستانی ہوں‘‘ میں ملی نغموں اور قومی ترانوں کی ایک گونج سنائی دیتی ہے۔اس کی بازگشت فردائی ادوار میں بھی موثر و مفید انداز میں ہوگی جسے قومی حوالے کی حیثیت حاصل ہوگی۔

(۱۲)

کتاب: جہانِ غم (غزلیات و نظمیات)

شاعر/مصنف: شادابؔ صدیقی

رابطہ فون: 0334-39966135 021-333966558

اشاعت:	جنوری 2023ء
صفحات:	192
قیمت:	400 روپے
ناشر:	الحمد پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0322-2830957

شادابؔ صدیقی دبستانِ کراچی کے شعری ادب میں اپنی ایک مخصوص پہچان رکھتے ہیں۔ عرصہ دراز سے مشقِ سخن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا کلام ملک کے معروف ادبی جرائد کی بھی زینت بنتا رہتا ہے۔ بینکاری کے شعبے سے سبکدوش ہیں۔ ہنوز ریاضتِ شعروسخن میں مصروف و منہمک ہیں۔ شعری حوالے سے ان کے پانچ مجموعہ ہائے کلام منظر عام پر آ چکے ہیں جن میں ''آتشِ پنہاں''، ''غم میری جاگیر''، ''جھیل کنارے''، ''دشتِ بے کنار''، ''گنجینہء نور'' اور ''جہانِ غم'' شامل ہیں۔

کتاب ہذا کے حوالے سے تاثرات نگاروں میں ابوالبیان ظہور احمد فاتح، امین جالندھری اور راقم الحروف شامل ہیں۔ اس کتاب میں تبرک کے طور پر ایک حمد اور ایک نعت شامل کی گئی ہیں۔ ایک سو چالیس غزلیات اور ستائیس نظمیات مندرجات کا حصہ ہیں۔ تمام نظمیات آزاد ہیئت میں ہیں۔ جن کے موضوعات میں تلون وتنوع کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ ان کی غزل بھی نو بہ نو موضوعات کا مخزن ہے جن میں رومان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بین الغزل اور بین النظم ان کے حزنیہ شعری طبع کی بالادستی برقرار رہتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ میر تقی میر اور فانی بدایونی کے مکتبِ فکر کے شاعر ہیں۔ البتہ کہیں کہیں ان سے بھی پیش رفت کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ انہوں نے شعوری طور پر کوشش کی ہے کہ موضوعات زندگی کے تمام شعبوں سے لیے جائیں لیکن غم کے جذبے مستولی رہے ہیں۔ گویا یہی ان کے شعری مزاج کا خاصا ہے۔

شادابؔ صدیقی کے فحوائے بیاں میں قلبی واردات بھی ہیں اور منظر نگاری کی چاشنی بھی قلب وخرد کو محظوظ کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تاثیراتی کیفیات کی فراوانی ان کے سخن کو اپنائیت اور

جاذبیت سے آشنا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ان کی فکر میں جہاں بالیدگی ہے وہاں اثر آفرینی بھی اپنا رنگ جما رہی ہے۔ وہ اپنے اردگرد بکھرے ہوئے موضوعات کو اپنے اظہاری پیمانوں کا حصہ بناتے ہیں۔نمونہء کلام کے طور پر ان کے چند اشعار ہدیہء قارئین ہیں۔

آتے آتے رک گئے ابرِ نشاط
نذرِ آتش دل کی پھر حسرت ہوئی
(ص:53)

منہدم دل کی دیوار ہونے لگی
جب محبت معیار کھونے لگی
(ص:90)

وقت ان سے حساب خود لے گا
جو ہمارا مذاق اڑاتے ہیں
(ص:110)

خاک ایسی زندگی کو جو سکوں سے دور ہو
کس لیے میں آرزوئے وصل کو پیہم لکھوں
(ص:151)

غم سے ہوتی ہے زندگی آزاد
جب میسر نشاط ہوتی ہے
(ص:126)

شادابؔ صدیقی کے فحوائے شعر میں شدتِ احساس بھی ہے اور زورِ بیاں کو بھی وفور حاصل ہے۔ متانت و سنجیدگی ان کے کلام کا خاصا ہے۔ ان کے ہاں موضوعاتی لایعنیت معدوم ہے اور مقصدیت کو فروغ حاصل ہے۔ اس لیے ان کا سخن اس امر کا استحقاق رکھتا ہے کہ اسے پڑھا جائے، سراہا جائے اور مزید برآں ان کے حوالے سے تحقیقی و انتقادی نوعیت کا کام کیا جائے۔ بنا

بر یں ان کے بہتر شعری مستقبل کی نوید قرینِ فطرت ہے۔

(۱۳)

کتاب:	شاہدہ لطیف کا تخلیقی ارتقا (تحقیقی وتنقیدی تجزیاتی مطالعہ)
مصنف:	شبیر ناقِد
مبصر:	شاعر علی شاعر
رابطہ فون:	0303-9297131 0333-5066967
اشاعت:	جنوری 2023ء
صفحات:	484
قیمت:	1200 روپے
ناشر:	اردو سخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)
رابطہ:	0302-7844094

نئے سال 2023ء کے پہلے ماہ میں شائع ہونے والی کتاب ''شاہدہ لطیف کا تخلیقی ارتقا'' نہ صرف مصنف شبیر ناقِد کے لیے اعزاز ہے بلکہ محترمہ شاہدہ لطیف کے لیے بھی تحفہ ہے کہ ان کے تخلیقی ارتقا پر اس قدر جامع اور وقیع سرمایہ شبیر ناقِد نے اردو ادب کے دامن میں ڈال کر اسے مالا مال کر دیا ہے۔ محترمہ شاہدہ لطیف نے اردو ادب میں اس قدر نمایاں کارِ ادب کیا ہے کہ وہ تاریخِ اردو ادب کا حصہ بن گیا ہے۔ محترمہ شاہدہ لطیف ایک محبِ وطن شاعرہ ہیں۔ اس لیے اس کتاب کا انتساب ''شاہدہ لطیف کے جذبہ ءحب الوطنی کے نام'' کیا گیا ہے۔ جناب شبیر ناقِد نے شاہدہ لطیف کی نو شعری تصانیف میں سے چھتیس عنوانات قائم کر کے ان کا تحقیقی وتنقیدی وتجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس طرح پاکستان کی معروف شاعرہ اور قائداعظم محمد علی جناح پر کتاب لکھنے

والی اولین شاعرہ کے کارِ ادب کے مزید پہلوا جا گر کیے گئے ہیں۔ ان کی شخصیت کے نئے روپ اور فن کی پرتیں کھولی ہیں جن سے ان کی عظمت و وقعت اور اہمیت مزید قارئینِ شعر و سخن، ناقدینِ فنِ شاعری اور مشاہیرِ اردو ادب پر واضح ہوئی ہیں۔

مصنف شبیر ناقِدؔ نے محترمہ شاہدہؔ لطیف کی حمد و نعت نگاری، ملی شاعری، قومی شاعری، کشمیریات، مزاحمتی افکار، منظور سفر نامہ نگاری، رومانوی شاعری، شاہدہؔ لطیف کی حب الوطنی، شاہدہؔ لطیف کا نظریہء ادب برائے زندگی اور ان کا پندارِ انا کھل کر سامنے آئے ہیں اور شاعرہ موصوفہ کی تخلیقات و نگارشات کی روشنی میں اپنے دلائل پیش کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ محترمہ شاہدہؔ لطیف صاحبہ اس دور کی صاحبِ طرز ادیبہ، صاحبِ اسلوب شاعرہ اور سماجی ادراکات رکھنے والی شخصیت ہیں۔

اس کتاب پر پروفیسر محمود پاشا اور جناب ناصر ملک نے محترمہ شاہدہؔ لطیف کے فن و شخصیت پر اپنے مثبت خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کی نظر میں شاہدہؔ لطیف نے جن اصنافِ نظم و نثر میں بھی کام کیا ہے، اس کا حق ادا کیا ہے۔ تصنیفِ ہذا کی تحقیقی و تنقیدی اور تجزیاتی قدر و منزلت سے آشنائی کے لیے قارئین کے لیے تاثرات نگاروں کے تاثرات سے آشنا ہونا انتہائی ناگزیر ہے۔

جہلم سے تعلق رکھنے والے معروف شاعر و نقاد پروفیسر محمود پاشا رقم طراز ہیں:

''زیرِ مطالعہ گراں قدر تحقیق کے ذریعے مجھے نہ صرف محترمہ شاہدہؔ لطیف کی جدید خطوط سے ہم آہنگ مفہوم خیز شاعری کا مطالعہ میسر آیا بلکہ جناب شبیر ناقِدؔ کی بے لاگ مگر پر مغز تنقید سے بھی استفادہ کرنے کا بہترین موقع ملا۔ میرے نزدیک یہ بات بہت اہم اور حوصلہ افزا ہے کہ نقاد نے شاعرہ کی کئی تخلیقات پر کسی تعصب اور جانبداری کے یکسر ماورا ہو کر بہت سے پہلوؤں کا نہ صرف مشاہداتی تجزیہ پیش کیا ہے بلکہ قاری کو اپنی آزادانہ رائے قائم کرنی کی بھرپور فضا بہم کی ہے۔ ان کا تنقیدی رویہ کہیں بھی قاری پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ سوچ اور تخیل کے لیے نئے پیمانے مقرر ہوتے ہیں۔ شبیر ناقِدؔ نے شاعری کے فکری پہلوؤں کے ساتھ ساتھ فنی

محاسن ومعائب کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ کسی بھی شعر کے مفاہیم پر گفتگو کرنا کارِ آساں نہیں ہوتا جبکہ یہاں تو فنی مباحث کا بھی بہترین اہتمام دیکھنے کو ملتا ہے۔ اشعار کو عروضی پیمانوں پر صرف وہی نقاد پرکھ سکتا ہے جو جدید اور کلاسیکی تنقیدی رویوں سے آشنا ہو اور خود بھی اچھا شاعر ہو، علم العروض پر دسترس رکھتا ہو۔ یہ اوصاف شبیر ناقِدؔ کی شخصیت میں مجتمع ہو کر اس تصنیف کو اضافی حسن بخش رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ زیرِ مطالعہ کتاب اردو تحقیقی وتنقیدی ادب میں گراں مایہ اضافہ قرار دی جائے گی۔"

کتاب ہٰذا کے ناشر ہمہ جہت شاعر وادیب ناصر ملک کی رائے اس حوالے سے زیادہ منطقی نوعیت کی حامل ہے، ملاحظہ کریں۔

"شاہدہؔ لطیف نہ صرف وطنِ عزیز کی ممتاز شاعرہ ہیں بلکہ نامور صحافی اور معروف سفر نامہ نگار کے طور پر بھی اپنے ہنر کا سکہ منوا چکی ہیں۔ انہوں نے کئی شعری مجموعے اور منظوم سفر نامے اردو دنیا کو عطا کیے اور ادبی حلقوں سے خراجِ تحسین پایا۔ ان کی شعری جہات پر جناب شبیر ناقِدؔ نے نہایت عرق ریزی سے اپنا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کر کے کلاسیکی روایت کو جدید آہنگ سے ہم کنار کیا ہے۔ انہوں نے شاہدہؔ لطیف کی مذہبی، ملی، رومانوی اور سماجی رنگوں سے آراستہ شاعری کے ساتھ ساتھ منظوم سفر نامہ نگاری کو بھی موضوعِ تنقید بنایا ہے اور فکری پہلوؤں کے ساتھ ساتھ شاعری کے فنی لوازمات کا بھی دھیان رکھا ہے۔ چونکہ وہ خود اردو اور سرائیکی زبانوں کے زود گو شاعر ہیں اور علم شاعری ان کا پسندیدہ موضوع ہے، اس لیے انہوں نے زیرِ مطالعہ تحقیق میں شاہدہؔ لطیف کی شاعری کو عروضی کسوٹی پر رکھتے ہوئے تمام اشعار کی بحور اور اوزان سے قاری کو روشناس کیا ہے۔ اس کا فائدہ تو یہ ہے کہ کتاب کا قاری اچھی شاعری کے ساتھ ساتھ فنِ شاعری سے بھی بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ میری دانست میں شبیر ناقِدؔ نے بہت مشکل کام کے لیے بہت معروف

اور اعلیٰ ادبی شخصیت کا انتخاب کیا ہے اور اس کارِ دشوار کو بہ حسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔''

جہاں تک شبیر ناقِدؔ کے طرزِ بیاں کا تعلق ہے، تو اس میں جہاں فصاحت و بلاغت کے تقاضے بہ حسن و خوبی پورے ہو رہے ہیں، وہاں ان کے ہاں معقولیت و معروضیت اور منطقیت بھی اپنے پورے کروفر سے کارفرما ہے۔ ان کے اندازِ بیاں میں ایک استدلالیت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ علمِ بیاں کے جملہ نفسیاتی و حسیاتی پہلوؤں کا ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی اسلوبیات میں اردو کی تشکیلاتی زبانوں یعنی عربی، فارسی اور ہندی لفظیات کا استخدام اپنی پوری وقعت کے ساتھ کارگر ہے۔ جہاں عربیت و فارسیت کی چھاپ ہے، وہاں ہندی بھاشا کے شبدوں کی سندرتا اور کوملتا کو بھی واضح طور پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اردو ادب کی تحقیق و تنقید کی تاریخ میں انفرادی سطح کا یہ ایک بے مثال و لازوال کارنامہ ہے جس کی قدر و منزلت فردائی ادوار میں بھی اجاگر ہو گی۔ تصنیف ہٰذا کے توسط سے تحقیق و تنقید کے میدان میں جہاں شبیر ناقِدؔ نے اپنے آپ کو امر کر دیا ہے، وہاں انہوں نے شاہدہ لطیف کی تخلیقی صلاحیتوں کو بھی زندہ و جاوید بنا دیا ہے۔ ازمنۂ فردا میں نہ صرف اس کتاب کو بکثرت پڑھا جائے گا بلکہ بھرپور انداز میں اسے سراہا بھی جائے گا۔ اگر یوں کہا جائے کہ کتابِ ہٰذا کی بازگشت ادب کے ہر دور میں بھرپور انداز میں سنی جائے گی اور یہ بھی ایک طے شدہ مسلمہ و مصدقہ حقیقت ہے کہ جو نقاد یا محقق شاہدہ لطیف کے تخلیقی جواہر کے حوالے سے کام کرے گا، وہ شبیر ناقِدؔ کو ہرگز فراموش نہیں کر سکے گا بلکہ اسے نقادِ موصوف و مالوف سے گزر کر جانا ہو گا۔ یہ ایک مبینہ صداقت ہے کہ جہانِ تحقیق و تنقید میں ایسی تصانیف شاذ ہی منصۂ شہود پر آتی ہیں اور وہ تاثیرات کی دولت سے مالا مال ہوتی ہیں۔

محترمہ شاہدہ لطیف کے فن اور شان دار شخصیت کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں محترمہ شاہدہ لطیف اور جناب شبیر ناقِدؔ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

(۱۴)

کتاب: ہائی کائی

شاعرہ/مصنفہ: حمیدہ کشش

رابطہ فون: 0334-3649610

اشاعت: 2023ء

صفحات: 112

قیمت: 800 روپے

ناشر: ویلکم مارکیٹنگ، کراچی۔ پاکستان

رابطہ: 0315-8406751

اردو ادب کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ادبی تاریخ کے ہر عہد میں نہ صرف بدیسی اصنافِ سخن کے لیے ہمیشہ آغوش کشا رہا ہے بلکہ انہیں اپنی اصنافِ سخن سمجھ کر فروغ و پذیرائی سے نوازا ہے۔ اس امر سے اردو ادب کی رواداری اور وسعت کا اندازہ بہ حسن وخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ حمیدہ کشش کا یہ مجموعۂ کلام تمام تر ہائیکو پر مبنی ہے جو بنیادی طور پر جاپانی صنفِ سخن ہے۔ جسے سہ مصرعی نظم بھی کہا جاتا ہے۔

ہائیکو بہت سی شعری خصوصیات کی حامل ہے جس میں اختصار اور جامعیت کے تقاضے بھی بہ حسن وخوبی پورے کیے جا سکتے ہیں۔ کلائمکس اس کا بنیادی فکری وفنی تلازمہ ہے۔ مصرعِ اولیٰ ہمیشہ کلائمکس کا مظہر ہوا کرتا ہے۔ قارئین کی سہولت کے لیے یہ عرض کر دینا ناگزیر ہے کہ کلائمکس حیرت و استعجاب اور تجسس سے متضمن ہے۔ دراصل ہائیکو کا عروضی تقاضا ہی کلائمکس کا باعث بنتا ہے۔ عروضی حوالے سے اس کا تعلق بحر متدارک اور بحر متقارب سے اور عددی اعتبار سے یہ پانچ، سات، پانچ کے وزن پر ہوتی ہے۔ پہلا اور آخری مصرع تین ارکان پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ درمیان یعنی دوسرا مصرع چار ارکان پر مبنی ہوتا ہے جسے کچھ یوں واضح کیا جا سکتا ہے۔

فعلن فعلن فع

فعلن فعلن فعلن فع

فعلن فعلن فع

اس وزن کو بحر متدارک مخبون مسکن محذوف سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔مزید برآں ہائیکو بحر خفیف مسدس مخبون محذوف میں بھی کہ جاتی ہے جس کے عروضی ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلن ہیں ۔جسے ہائیکو کے سابقہ وزن کے مساوی خیال کیا جاتا ہے۔

اگر چہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ہائیکو کا موضوعاتی تعلق عموماً مظاہرِ فطرت،موسموں کی خوشگواری اور رومان پرستانہ امنگوں سے ظاہر کیا ہے مگر ہائیکو کا موضوعاتی کینوس بسیط وعریض ہے۔دنیا جہان کے تمام موضوعات اس میں سموئے جا سکتے ہیں مگر خیالات میں ایجاز واختصار ناگزیر ہے اور کلائمکس بھی ایک فکری وفنی مبادی تلازمہ ہے۔

حمیدہ کششؔ کے ہائیکو کے اس مجموعے کے حوالے سے تاثرات نگاروں میں رانا خالد محمود قیصرؔ،انیس جعفری اور حنا جعفری کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔پیش لفظ انہوں نے جذبہء دل کے عنوان سے لکھا ہے جبکہ انیس جعفری کے تاثرات ’’مہرِ کشش‘‘ سے معنون ہیں۔

ان کی ہائیکو نگاری حقیقی زندگی کی حقیقی جزئیات سے عبارت ہے۔جس میں تصنعات و تکلفات کا کوئی گزر نہیں ہے۔اس لیے ان کی ہائیکو خالص فطری رچاؤ کی حامل ہے۔ان کے ہاں فکری وفنی حوالے سے ایک توازن کی فضا کارفرما ہے۔اس لیے وہ نظریہء ادب برائے زندگی اور نظریہ ادب برائے ادب دونوں کی پاسدار وعلمبردار نظر آتی ہیں۔ان کی فکریات میں دیش بھگتی کے خصائص بھی کارگر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات واحساسات میں رومان پروری بھی ہے۔ان کے تخیلات میں ذات سے کائنات تک کا سفر بہ حسن وخوبی موجود ہے۔

اگر اسلوبیاتی حوالے سے بات کی جائے تو ان کا اسلوب سہلِ ممتنع کے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔گویا انہوں نے مدعا نگاری کا حسین قرینہ نبھایا ہے۔سہل نگاری کی روایت کو تقویت پہنچا کر قاری کے لیے اہتمامِ سہولت کیا ہے۔

اگر مجموعی طور پر بات کی جائے تو حمیدہ کشش تگ وتازِ حیات کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ سعیِ پیہم کو ان کی زندگی میں خصوصی اہمیت حاسل ہے۔ اگر ادبی حوالے سے بات کی جائے تو ان کی خامہ فرسائیوں کی داستاں طویل ہے۔ اب تک ان کی ایک درجن سے زائد تصانیف منظر، عام پر آ چکی ہیں۔ ادبی حوالے سے ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔

وہ ایک اچھی شاعری ہونے کے پہلو بہ پہلو معتبر نثر نگار بھی ہیں۔ ان کے ناول اور افسانے بہت پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ کالم نویسی بھی ان کا ایک حوالہ ہے۔ حمد و نعت اور منقبت و سلام کے حوالے سے بھی انہوں نے کافی ریاضت کی ہے۔ ان کے حوالے سے لکھنے کے لیے تو کم از کم پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ درکار ہے۔ نمونہء کلام کے طور پر ان کی چند ہائیکو نذرِ قارئین ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم اجازت کے خواستگار ہیں اور ہم یہ عرض کر دینا ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اگر ہائیکو کے میدان میں اسی تسلسل کے ساتھ ان کی ریاضت جاری رہی تو ہائیکو نگاری کے امکانات کے نئے ابواب وا ہوں گے۔

پکا ہے جادو
ہر دل پہ اثر کرتی ہے
مٹی کی خوشبو

اکثر ہے دیکھا
جس پہ بھروسا ہوتا ہے
دیتا ہے دھوکا

سونے سے بھی تول
تیرے من کا جیسا
تیرا تن ان مول

(۱۵)

کتاب: آتشِ زیرِ پا (کتابی سلسلہ)

شاعر/مصنف: اصغر خان

اشاعت: 2023ء

صفحات: 128

قیمت: 250 روپے

ناشر: کشش پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی

رابطہ: 0334-3649610

اس سے قبل کہ کتابِ ہذا کے تجزیاتی وتبصراتی عمل کا آغاز کیا جائے، اصغر خان کی شعر گوئی کے حوالے سے اربابِ نقد ونظر کی آراء کا جاننا انتہائی ناگزیر ہے۔

''اصغر خان بھی ایک ایسے شاعر ہیں جنہیں سماجی، سیاسی اور معاشرتی صورتِ حال کا مکمل ادراک ہے۔ ان کی شاعری بھی مکمل طور پر ان تمام فطری، روایتی اور موجود تقاضوں کا احاطہ کرتی ہے۔''

(سہیل احمد)

''اصغر خان تخلیقی احساس اور عمل کی قدرِ اعلیٰ کا پورا عرفان رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک ایسی کیفیت پائی جاتی ہے جو انہی کی شاعری کے لیے مخصوص ہے۔''

(جون ایلیا)

''آتش زیر پا کے شاعر نے اپنے شعری مجموعے کا نام تو شاید غالب کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے لیکن یہ نام ان کی باطنی کیفیات، افکار ومحسوسات اور کربِ تخلیق کی مکمل نمائندگی کرا ہے۔''

(سحر انصاری)

''اصغر خان کے اشعار سہلِ ممتنع میں ہیں۔ معاملاتِ حسن وعشق، واقعاتِ ہجر و فراق، کیفیاتِ چشم وقلب، احساساتِ آب وگل کو انہوں نے اپنے ادراک اور تجربات کی روشنی میں جس قدر آسان الفاظ میں قلم بند کیا ہے کہ یک گونہ خوشی کا احساس ہوتا ہے۔''

(سید معراج جامی)

''آتشِ زیرِ پا کی دوسری اشاعت خوش آئند ہے جس سے اس بات کی تصدیق ہو تی ہے کہ لمحہء موجود میں اصغر خان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔''

(عشرت رومانی)

کتاب ہذا میں اصغر خان نے ''میں جاناں میں کون؟'' کے عنوان کے تحت قارئین کو اپنی شخصیت اور فن کے حوالے سے بھرپور جانکاری دی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر معمولی شخصیت اور فن کے مالک ہیں۔ ان کے اس مجموعہء کلام میں زیادہ تر غزلیات شامل ہیں۔ البتہ گیت، ہائیکو، آزاد نظم اور قطعات کی شعری ہیئتوں کو بھی نمائندگی دی گئی ہے۔ ان کا فکری کینوس عمومی شعری رومانوی نوعیت کا حامل ہے۔ کتاب کے آخر میں کچھ فردیات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان کے اس شعری مجموعے میں قابلِ اعتراض بات یہ ہے کہ نظمیات کو بلا عنوان شامل کیا گیا ہے۔ اس سے ایک تحقیقی تشنگی کا پہلو سامنے آتا ہے۔

اگر عروضی حوالے سے بات کی جائے تو انہوں نے بحرِ خفیف مسدس مخبون محذوف میں زیادہ طبع آزمائی کی ہے۔ غالباً یہی ان کی پسندیدہ بحر بھی ہے۔ مزید برآں انہوں نے بحرِ خفیف مسدس سالم مقصور میں بھی شعر گوئی کی ہے۔ علاوہ ازیں بحر رمل مسدس محذوف، بحر رمل مثمن محذوف مخبون، بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف، بحر وافر مثمن محذوف مخبون، بحر رجز مربع محذوف میں بھی اشعار کہے ہیں۔ عروضی حوالے سے انہیں مزید بالیدگی درکار ہے۔

اس کتاب کو اگر چہ مختصر سائز میں شائع کیا گیا ہے مگر اس میں بہت سے عمدہ اشعار اس کی اہمیت کو فزوں تر کر دیتے ہیں۔ نمونہء کلام کے طور پر چند اشعار نذرِ قارئین ہیں اور اس کے ساتھ

ہی ہم اجازت کے خواستگار ہیں مگر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ انہیں جہانِ فکر وفن میں اپنے ارتقائی سفر کو جاری وساری رکھنے کے لیے ریاضتِ بسیار درکار ہے۔

کچھ تو ہم سے گلہ کیا ہوتا
بوجھ دل کا ذرا گھٹا ہوتا
(ص:28)

پھر نہیں رہتی رہائی کی سبیل
قید جب ہو کوئی اپنی ذات میں
(ص:31)

جتنی لالچ بڑھ گئی انسان کی
اتنی قیمت گھٹ گئی انسان کی
(ص:32)

لے کے ڈوبی ہے دل لگی ہم کو
راس آئی نہ یہ خوشی ہم کو
(ص:39)

خواہشیں زیر بار کیسے کروں؟
حق پرستی شعار کیسے کروں؟
(ص:45)

جیت کا بھی نشہ نہیں ہوتا
ہار کر بھی خفا نہیں ہوتا
(ص:49)

تجھ سے مل کر بھی جو گھائل نہ ہوا
شخص وہ عشق کے قابل نہ ہوا

یاد آتے ہیں وہ زمانے کیوں؟
خوب دکھتے ہیں پھر سہانے کیوں؟
(ص:53)

(۱۶)

کتاب: شعروادب (باقیاتِ ہارون)
مصنف: پروفیسر ہارون الرشید
اشاعت: 2023ء
صفحات: 112
قیمت: 500روپے
ناشر: ہارون پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ: 0332-2243868

کتاب ہذا تحقیقی و انتقادی اور تذکراتی نوعیت کی حامل ہے۔ یہی مزاج اور افتادِ طبع پروفیسر ہارون الرشید کی بھی ہے جو ادب میں کلاسیکی معیار و اعتبار کے سختی سے قائل ہیں اور وہ اپنی نگارشات کے آئینے میں اس امر پر کاربند نظر آتے ہیں۔

تین درجن کے قریب تحقیقی و تذکراتی اور تنقیدی اہمیت رکھنے والی تصانیف ان سے منسوب ہیں۔ اس لیے وہ جہانِ ادب میں نہ ہی نوآموز ہیں اور نہ ہی نو وارد ہیں۔ اس لیے ہم یہ ناگزیر خیال کرتے ہیں کہ قارئینِ شعروادب ان کی ادبی خدمات سے آشنا ہوں۔ اس غرض وغائت کے باعث ان کی تصانیف کے اسمائے گرامی بمع سنِ طباعت حسبِ ذیل ہیں جن کی انتظامی تقسیم موضوعات کی نوعیت سے کی گئی ہے۔

اردو ادب جائزے، تنقید و تاریخ:

1۔ اردو ادب اور اسلام (جلد اول) 1968ء

2۔ اردو ادب اور اسلام (جلد دوم) 1970ء

3۔ اردو کا دینی ادب 2006ء

4۔ اردو کا دینی ادب (دوسرا ایڈیشن مع ترمیم واضافہ) 2010ء

5۔ اردو کا جدید نثری ادب (تاریخ و تنقید) 2009ء

6۔ جدید اردو شاعری (تاریخ و تنقید) 2010ء

7۔ اردو کا قدیم ادب (تاریخ و تنقید) 2011ء

8۔ اردو نعت گوئی کا تنقیدی جائزہ (قرآن کی روشنی میں) 2014ء

9۔ اسلامی ادب (مختصر تاریخ) 2017ء

10۔ چند معاصر قلم کار 2017ء

11۔ فکر و فن (تنقیدی مضامین) 2018ء

دبستانِ مشرق (سابق مشرقی پاکستان میں اردو ادب:

1۔ محفل جو اجڑ گئی (تاریخ) 2002ء

2۔ دو ہجرتوں کے اہلِ قلم (تاریخ و تذکرہ) 2012ء

3۔ نوائے مشرق (تاریخ و تذکرہ) 2013ء

4۔ سرگزشتِ آصف (علامہ آصف بنارسی، شخصیت و شاعری)

دینی اور فکری جائزے:

1۔ ملت واحدہ (عالمی سیاسی تناظر میں ملتِ اسلامیہ کا جائزہ) 2005ء

2۔ نیاز فتح پوری کے مذہبی افکار 2005ء

3۔ تحقیق و اجتہاد (برصغیر کے سات محقق علما کے افکار کا جائزہ) 2009ء

4۔ دین و دانش (20 علمی کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ) 2010ء

5۔ہمارا معاشرہ اور اسلام 2013ء

6۔غلام احمد پرویز کے افکار(بے لاگ تبصرہ) 2013ء

7۔ایک گم نام دینی محقق(محمد عثمان قریشی مرحوم) 2015ء

8۔فغانِ درویش(تاثراتی مضامین) 2016ء

9۔باتیں(تاثراتی مضامین) 2019ء

شاعری:

1۔طوبیٰ(حمد،نعت،منقبت) 1995ء

2۔متاعِ درد(سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے شعری مجموعہ) 2003ء

3۔نقوش سارے(تجلیات) 2008ء

4۔منقبتِ صحابہ کرام 2010ء

5۔سوغات(بچوں کے لیے نظمیں) 2016ء

ناول:

1۔اپنے لہو کی آگ میں 1970ء

2۔منزل کہاں ہے تیری 2015ء

3۔منزلِ مراد 2018ء

خودنوشت:

زندگی نامہ

ڈائری:

1۔لاک ڈاؤن کے روزوشب 2021ء

مذکورہ بالا تصانیف جن کی تعداد پینتیس ہے، سے اس امر کا بخوبی استحضار ہوتا ہے کہ پروفیسر ہارون الرشید ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت کے مالک تھے اور ایسی نابغہ روزگار ہستیاں سینۂ گیتی پر روز روز جنم نہیں لیتیں۔تاریخ کو انتظار کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگر فکری تناظر میں بات کی جائے تو وہ ایک دائیں بازو کی نظریاتی شخصیت تھے۔ ادبی حوالے سے جو کام انہوں نے کیا، وہ قارئین و محققین اور ناقدین کو ورطہء حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک سیال ادارہ تھے۔

ان کی ادبی خدمت ایک ادارے کا کام محسوس ہوتی ہے۔ ان کے اس قدر ادبی کارنامے ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس حوالے سے ان کو حاصل ہونے والے خراجِ تحسین کی نقاب کشائی بھی ناگزیر ہے اور ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اربابِ فکر و نظر ان کے حوالے سے کیا رائے رکھتے ہیں۔ تحقیقی و تنقیدی حوالے سے یہ ایک جمہوری نوعیت کا انداز ہے جو فزوں تر انتقادی اہمیت کا حامل بھی ہے۔

''محترم پروفیسر ہارون الرشید صاحب وطنِ عزیز کی قومی زبان اردو کے ایک مخلص شیدائی ہیں۔ وہ ایک وسیع المطالعہ، خوش ذوق محقق اور مبصر نظر آتے ہیں جن کی اردو شاعری اور نثر کی تاریخ پر گہری نظر ہے۔ جو اردو ادب کے کسی بھی صنف خواہ وہ نظم ہو یا نثر، اس میں دینی اقدار اور اخلاق کے تقاضوں کی پامالی کو اسلام کے نظریہء ادب کے منافی سمجھتے ہیں۔''

(طالب ہاشمی)

''پروفیسر ہارون الرشید بازارِ ادب کی ہماہمی اور گہما گہمی سے دور ایک گوشے میں بیٹھ کر پرورشِ لوح و قلم میں مصروف ہیں۔ وہ یہ خدمت عبادت کی طرح انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی نگارشات میں نظریاتی استقامت کے ساتھ ساتھ فنی لوازم اور جمالیاتی اقدار کا بھی بدرجہء اتم خیال رکھا ہے۔''

(پروفیسر علی حیدر ملک)

''پروفیسر ہارون الرشید ان کمیاب ادیبوں میں سے ہیں جنہوں نے اتنی زیادہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے جتنی کسی بھی اردو کے اہلِ قلم نے نہیں کی ہوگی۔ انہوں

نے شاعری کو بھی اظہار کا وسیلہ بنایا، افسانے اور ناول بھی لکھے، تذکرہ نویسی میں بھی مثالی کتابیں منظرِ عام پر لائے، تحقیقی، تنقیدی اور تاریخی کتابیں بھی لکھیں، خاکہ نگاری بھی کی، خودنوشت، سوانح نگاری بھی کی، بچوں کے لیے نظمیں لکھیں اور دینی و اصلاحی تحریریں بھی سامنے لائے۔ اس میں شک نہیں کہ پروفیسر ہارون الرشید دورِ حاضر کے prolific لکھنے میں سے ہیں۔''

(اے خیام)

''پروفیسر صاحب کی یہ کتابیں عالمانہ شان اور اعلیٰ قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ اس نوعیت کا کام اردو میں کمیاب ہے۔ اس کے لیے پتہ مارنا پڑتا ہے۔ مجموعی طور پر پروفیسر ہارون الرشید کا ادبی و تحقیقی کام ہمارے ادب کا یادگار سرمایہ ہے اور اردو ادب کے ہر قاری کے لیے ان کتب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔''

(ڈاکٹر اسد فیض)

''پروفیسر ہارون الرشید عہدِ حاضر کے بالغ نظر نقاد اور محقق ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اہلِ علم و ادب ان کی خدمات سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ بغیر کسی نام و نمود اور صلے کی پروا کیے بغیر اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔''

(ڈاکٹر نزہت عباسی)

مذکورہ بالا آرا جو کتابِ مذکور کے بیک ٹائٹل کا حصہ ہیں، ان سے ڈاکٹر ہارون الرشید کے فکرو فن اور ان کی شخصیت کے حوالے سے خصوصی جانکاری ملتی ہے۔ ان کی تصنیف شعر و ادب اگرچہ خود میں ایک اجمال کا حسن بھی سموئے ہوئے ہے مگر اس سے ان کی عرق ریزی، خلوص، باریک بینی اور جانفشانی بھی اظہر من الشّمس ہوتی ہے۔ تحقیق و تنقید اور تذکرہ نویسی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کتاب ہذا کسی خوانِ یغما سے کم نہیں۔ فردائی ادوار میں بھی اس کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوگا۔

(۱۷)

کتاب: کسی اور کا دکھ

شاعر/مصنف: ڈاکٹر ساجد رحیم

رابطہ فون: 0333-5565095

اشاعت: جنوری 2023ء

صفحات: 164

قیمت: 1000 روپے

ناشر: اردو سخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)

رابطہ: 0302-7844094

یہ ایک اظہر من الشّمس حقیقت ہے کہ ہر سخنور کا فکری و فنی کینوس قدرے مختلف ہوتا ہے اور یہی اختلاف اس کی ندرتِ فکر و فن کا مظہر ہوتا ہے۔ یوں یکسانیت سے پہلو تہی ممکن ہو پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گلستانِ شعر میں ہر عہد میں بہار سامانی موجود رہتی ہے۔ شاعرِ مذکور کے حوالے سے مجموعہ ہذا میں مختصر رائے پائی جاتی ہے جو کتاب کے بیک ٹائٹل کا حصہ ہے جسے نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ یہ تاثرات ادارے کی رائے شمار کیے جائیں گے کیونکہ تاثرات نگار کا اسم گرامی معدوم ہے۔

> ''ڈاکٹر ساجد رحیم پیشے کے اعتبار سے ماہرِ نفسیات ہیں۔ ان کا تعلق چکوال سے ہے لیکن بسلسلہ روزگار پاکستان کے مختلف شہروں میں سکونت پذیر رہے ہیں۔ ''کسی اور کا دکھ'' ان کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ ماقبل ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ایک دیوار گراتا ہوں'' 2020ء میں منظرِ عام پر آیا تھا جس کو ادبی اور عوامی حلقوں میں پذیرائی ملی اور متعدد انعامات سے بھی نوازا گیا۔''

مذکورہ بالا رائے سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی ان کے تخلیقی سفر کا نقطۂ آغاز ہے جو

انتہائی حوصلہ افزا ہے۔ ایک ماہرِ نفسیات ہونے کے باعث ان کے فحوائے بیاں میں نفسیاتی اعماق و آفاق وفور سے پائے جاتے ہیں۔ یوں ان کا حسیاتی گراف بلند ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ان کے ہاں انسان کی نفسیاتی تربیت کے شواہد بھی بہ حسن و خوبی ملتے ہیں اور وہ اس امر سے بطریقِ احسن آشنا ہیں کہ نفسیاتی تربیت کے کیا لوازمات ہوتے ہیں۔ ان کے سخن کی انھی خصوصیات کے باعث قاری پر ان کی گرفت مضبوط تر رہتی ہے۔

ان کے تخیل میں ایک بھرپور نوعیت کی رومانویت بھی کارفرما ہے اور رنگین مزاجی بھی ان کی افتادِ طبع کا خاصا ہے مگر وہ فطری طور پر ایک درویش منش انسان ہیں۔ گویا وہ بے باک شخصیت کے مالک ہیں جنہیں نفیس الطبع انسان کہا جا سکتا ہے۔ ان کے بیان میں ایک قطعیت کارگر ہے۔ منطقیت اور معروضیت جس کے تلازمات ہیں۔ مصلحت اندیشی، امن پسندی اور تعمیری سوچ ان کے فکری ترفع کی پہچان ہے۔ ان کی شاعری میں تنقیدی رویے اور خود احتسابی کا عمل بھی جلوہ ریزیاں کر رہا ہے۔ وہ استعماریت اور استحصالیت کے اوچھے ہتھکنڈوں کو بے نقاب کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن کی اصل اساس، انسان دوستی کا جذبہ ہے جس میں ان کی ترقی پسند فکر روبہ کار ہے۔

ڈاکٹر ساجد رحیم کے مجموعہ کلام ''کسی اور کا دکھ'' کا نام اجتماعی تاثر اور آفاقیت و مثالیت کا مظہر ہے۔ نمونہء کلام کے طور پر کچھ اشعار مشتے از خروارے کے بمصداق ہدیہء قارئین کیے جاتے ہیں:

دلوں سے خوف نکالا گیا تھا بچپن میں
ہمیں ہوا میں اچھالا گیا تھا بچپن میں
وہ اب کسی سے سنبھالے نہیں سنبھلتا
جسے زیادہ سنبھالا گیا تھا بچپن میں
(ص:10)

مجھ کو اک شخص سے ملنے کی بہت جلدی تھی

اتنی جلدی تھی کہ نیندوں میں چلا جانے لگا

(ص:13)

دیتا ہے کوئی شوخ بدن اذنِ جسارت

تو ہاتھ بڑھا بندِ قبا کچھ نہیں کہتا

(ص:14)

درویش طبیعت مجھے ورثے میں ملی ہے

میں ٹھیک غلط اچھا برا کچھ نہیں کہتا

(ص:15)

جھوٹ کہتے ہیں کہ آواز لگا سکتا ہے

ڈوبنے والا فقط ہاتھ ہلا سکتا ہے

(ص:16)

تو کیا چپ چاپ اجڑنا چاہیے تھا

ہمیں قسمت سے لڑنا چاہیے تھا

(ص:18)

اگر تعلق میں بھی آ جائے بگاڑ کوئی

ہم اپنے حصے کا کام کرنے کا سوچتے ہیں

(ص:25)

کچھ تو ایسی کشش تھی پنجرے میں

سب پرندوں نے خود اُتارے پر

(ص28)

اگر ڈاکٹر ساجد رحیم ریاضِ فکر وفن میں یونہی اپنی کشیدِ جاں لٹاتے رہے تو ان کا شمار جہانِ اردو کے بالیدہ فکر سخنوروں میں کیا جائے گا مگر انہیں خلوص، ریاضت اور لگن کے اصولِ ثلاثہ پر

مسلسل عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہی امران کے تابناک شعری مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔

(۱۸)

کتاب: غالب سرائی

مولف: کلیم احسان بٹ

رابطہ فون: 0345-6882170

اشاعت: فروری 2023ء

صفحات: 304

قیمت: 1000 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

عظیم ادب کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے اسلاف کو زندہ و تابندہ رکھتا ہے بلکہ اسے بھر پور انداز میں خراجِ تحسین بھی پیش کرتا ہے۔ ہمارے کلاسک اساتذۂ سخن میں مرزا اسد اللہ خان غالب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مرزا غالب نہ صرف جہانِ شعر کی ایک معتبر شخصیت ہے بلکہ یہ اردو شاعری کے ایک دور کا نام ہے جسے تاریخِ اردو شعریات میں نگاہِ قدر و منزلت سے دیکھا جا سکتا ہے۔

قیامِ پاکستان سے قبل سے لے کر اب تک اردو شاعری کا ایک تسلسل برقرار ہے اور مختلف نوعیات کے مجموعہ ہائے شعر منصۂ شہود پر آ رہے ہیں مگر کچھ اصحابِ جدت کچھ نیا کرنے کی دھن میں مگن رہتے ہیں۔

اس سلسلے کی ایک کڑی کلیم احسان بٹ کی تالیف کردہ کتاب ''غالب سرائی'' بھی ہے جس میں غالب کے حوالے سے مختلف شعرا و شاعرات کی منظومات کو شامل کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ

یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ایک عمدہ روایت ہے۔

متقدمین ومتوسطین کے حوالے سے اسی روایت کا تسلسل ناگزیر ہے۔اس کی بدولت ہمیں اپنی ادبیات کی تاریخ میں جھانکنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یوں اپنی ادبی تاریخ کو محفوظ کرنے کا ایک نادر انداز سامنے آتا ہے۔

کتاب ہذا کا پیش لفظ مولفِ مذکور نے خود لکھا ہے۔ انہوں نے مختلف ادبی کتب اور کچھ جرائد سے بھی استفادہ کیا ہے جسے ہم ایک انتہائی عرق ریزی کا عمل قرار دیتے ہیں۔ کتاب ہذا کے تاثرات نگاروں میں ڈاکٹر فہیم تبسم، چیئرمین شعبہ اردو، وفاقی یونیورسٹی اسلام آباد، اکرم کنجاہی اور سید روح الامین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

کتاب ہذا کا فلیپ ہمہ جہت شاعر و ادیب شاعر علی شاعرؔ نے لکھا ہے۔ان کے تاثرات میں سے آخری اقتباس نذرِ قارئین ہے:

> ’’جناب کلیم احسان بٹ ایک وسیع المطالعہ شاعر و نقاد ہیں جن کی تنقید پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک ذی شعور نقاد کے طور پر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ترقی پسندانہ اور ناقدانہ شعور بدرجہ اتم موجود ہے۔ان کا مرتب کردہ موجودہ کام دیکھ کر یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایک زیرِ طباع اور سلیم الحواس ادیب و شاعر ہیں۔ غالب گمان ہے کہ اس منظومات کے انتخابات پھولوں کی مہک کو تادیر مہکاتی رہے گی۔‘‘

کتاب ہذا میں مختلف شعراوشاعرات کی غالب کے حوالے سے چھیاسی منظومات شامل کی گئی ہیں۔سخنوروں کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

آل احمد سرور، ابراہیم خلیل، احسان دانش، احمد علی برقی اعظمی، ارشد تھانوی، اسحاق ادیب، اسما سعیدی، علامہ اقبال، الطاف حسین حالی، امجد اسلام امجد، ایم زیڈ کنول، باقی احمد پوری، بے صبر سکندر آبادی، تبسم رضوانی، تنویر پھول، خرم محمد آبادی، جگر مراد آبادی، جگن ناتھ آزاد، جمیل ملک، چندر بھان کیفی دہلوی، حرمت الاکرام، حزیں لدھیانوی، حسن عسکری کاظمی، حفیظ تائب، دلاور

فگار، رضا علی وحشت کلکتوی، روشن صدیقی، زاہد حسین زیدی، ساحر لدھیانوی، سرور چوہدری، عبدالغفور مارہروی، سعید عارفی، سلطان علی خان، سیماب اکبر آبادی، شاعر لکھنوی، شبنم رومانی، شمیم کرمانی، شوق قدوائی، صوفی ضیا جلال پوری، ظفر صہبائی، عاطر ہاشمی، عبدالحکیم خلیفہ ایم اے، عرش ملیسانی، عرفان جمیل، عرفانہ عزیز، عزیز اندوری، علی سردار جعفری، عمر انصاری، غلام نجف، قاسم نوروی، قربان علی بیگ سالک، قلق میرٹھی، کرشن موہن، گلزار گوہر ہوشیار پوری، ماجد الباقری، ماجد صدیقی، ماچس لکھنوی، محسن احسان، سید محمد جعفری، محمد صادق ضیا، ڈاکٹر محمد کلیم، محمد یونس، مخدوم محی الدین، میر مہدی مجروح، نازش پرتاب گڑھی، ناصر بشیر، ناصر نظامی، ڈاکٹر ناظم جعفری، ندرت کانپوری، نشتر امروہی، نظیر امروہی، نظیر لدھیانوی، واحد پریمی، وقار خلیل۔

کتاب کے آخر میں حوالہ جاتی کتب و رسائل کی فہرست دی گئی ہے۔اس کے بعد مصنف کا علمی وادبی سفر بیان کیا گیا ہے۔ان کی ایک درجن تصانیف و تالیفات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

1۔گجرات میں اردو شاعری (ضلع گجرات کی علمی وادبی تاریخ) 1996ء

2۔موسمِ گل حیران کھڑا ہے (شعری مجموعہ) 1999ء

3۔ابرِ رحمت (جلد اول) شیخ غلام محی الدین کی کتاب کی تدوین و ترتیب۔ 2004ء

4۔چلو جگنو پکڑتے ہیں (شعری مجموعہ) 2005ء

5۔ابرِ رحمت (جلد دوم) شیخ غلام محی الدین کی کتاب کی تدوین و ترتیب۔ 2006ء

6۔تفہیم و تحسین (تنقیدی مقالات) 2008ء

7۔حیرت باقی رہ جاتی ہے (شعری مجموعہ) 2011ء

8۔ماں بیتی (سوانح عمری) 2014ء

9۔مقالاتِ کلیم (تنقیدی مقالات) 2017ء

10۔پسِ دیوارِ آئینہ (شعری مجموعہ) 2018ء

11۔کارِزیاں (شعری مجموعہ) 2020ء

12۔غالب سرائی (غالب پر لکھی گئی منظومات کی تالیف و ترتیب) 2023ء

کتاب ہٰذا کا وصفِ خاص یہ ہے کہ اس میں تمام سخن وروں کو بلا امتیاز سینئر اور جونیئر حروفِ ابجد کے اعتبار سے شامل کیا گیا ہے۔ گویا غالب کے حوالے سے یہ منظوم انتقادی نوعیت کا کام ہے جس سے ان کے اعترافِ فکر و فن کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔

تحقیقی و تنقیدی اعتبار سے یہ کتاب فزوں تر امکانات کی حامل ہے جس سے غالب کی تاریخ و تحقیق اور تنقید کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں کلاسک اساتذۂ سخن کے حوالے سے یہ ایک مندوب و مستحسن روایت ہے جس کا جاری و ساری رہنا ایک خوش آئند عمل ہے جو ادب کے فروغ اور احیا میں سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کا کردار ادب کے ارتقا میں کلیدی نوعیت کا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دیگر کلاسک اساتذۂ سخن جن میں میر تقی میر، ابراہیم ذوق وغیرہ کے حوالے سے بھی اسی نوعیت کی سعیِ جمیل ہونی چاہیے۔

امیدِ واثق ہے کہ کلیم احسان بٹ اس حوالے سے اپنے تالیفی سفر کو آگے بڑھائیں گے اور یوں خدامِ ادب کی فہرست میں نمایاں مقام پائیں گے۔

(۱۹)

کتاب:	فسوں زار
مصنف:	ڈاکٹر خالد اسراں
رابطہ فون:	0333-6842465
اشاعت:	فروری 2023ء
صفحات:	308
قیمت:	700 روپے
ناشر:	اردو سخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)
رابطہ:	0302-7844094

یہ ڈاکٹر خالد اسراں کا چوتھا افسانوی مجموعہ ہے جبکہ مجموعی طور پر یہ ان کی پانچویں کتاب ہے۔ قبل ازیں ''آبلہ پا خواب''، ''درِ زنداں'' اور ''سر بریدہ سائے'' کے عنوانات سے ان کے افسانوں کے تین مجموعے اور ''شہرِ افلاس'' کے عنوان سے ایک شعری مجموعہ منصۂ شہود پر آ چکا ہے۔ ان کی تخلیقات قبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعوں کے ناموں سے ہی ان کے افسانوی مزاج کا تعین بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ انسان دوستی اور ترقی پسند فکر ان کے افسانے کا اختصاصی مزاج ہے۔ کہیں کہیں ان کے ہاں مزاحمتی افکار کی پرچھائیاں بھی ملتی ہیں۔

ان کے اس افسانوی مجموعے ''فسوں زار'' کے تناظر میں ہمہ جہت شاعر و ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار اور مجموعہ ہذا کے ناشر ناصر ملک کی رائے جو اختصار و اجمال کی مظہر بھی ہے، جس میں معروضیت و معقولیت اور منطقیت بھی ہے، نذرِ قارئین کی جاتی ہے:

> ''یہ محض افسانوں کا مجموعہ نہیں بلکہ فسوں زار ہے جو ممتاز افسانہ نگار ڈاکٹر خالد اسراں کا تشکیل کردہ ہے جس میں تمام سربستہ راز، واقعات، عبرت انگیز اور مناظرِ فہم و فراست انسان کے لیے دستک کناں ہیں۔''

ڈاکٹر خالد اسراں کا افسانہ حقیقی زندگی کا حقیقی عکاس ہے۔ انہوں نے زندگی کی حقیقی جزئیات کو افسانوی روپ بخشا ہے۔ اس لیے ان کے افسانے میں ایک فطری رچاؤ کی فضا کارفرما ہے۔ تصنع اور تکلف کی آلائشیں ان کے افسانوی کینوس سے گریزاں نظر آتی ہیں۔ ان کے ہاں داخلیت کے شواہد اور خارجیت کے امکانات ایک متناسب انداز میں ملتے ہیں۔ ان کے افسانے کا اسلوب ہر سطح کے قاری کے لیے یکساں مفید و متداول ہے۔ انہوں نے اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کہانیوں کو افسانے کا روپ بخشا ہے۔ انہوں نے اپنے حساس مشاہدات کو نہایت چابکدستی سے اپنے افسانوں میں سمو کر کربِ انسانی اور اضطرابِ معاشرہ کو اپنے پڑھنے والوں کے سامنے اس طرح بکھیر دیا کہ نہ صرف ان کی تحریر امر ہو گئی بلکہ اس معاشرتی نظام کی تاریخ بھی مرتب ہو گئی۔

ان کے افسانوں میں موجود کرداروں اور مقامات کے نام غیر مقامی نوعیت کے ہیں جس

سے جہاں افسانوی فضا کو تقویت ملتی ہے، وہاں ایک طرح کی اجنبیت کا احساس بھی اجاگر ہوتا ہے۔ ان کا افسانہ کلاسیکیت وجدیدیت کا حسین امتزاج ہے۔ اگر افسانہ نگاری کے میدان میں ان کی عرق ریزیوں کا تسلسل یونہی برقرار رہا تو ان کے تابناک افسانوی مستقبل کی ضمانت قرینِ حقیقت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان کے افسانے کا پلاٹ نہایت عمدگی کا مظہر ہے اور منظر نگاری کا فن ان کے افسانے کو زندہ وجاوید بنانے کی قدرت رکھتا ہے اور ان کے ہاں فکری وفنی حوالے سے ایک بالیدگی کا عنصر کارفرما ہے۔ فکر وفن کی متانت وسنجیدگی انہیں مقامِ اعتبار پر فائز کرتی ہے۔

ان کے اسلوب میں ایک مقصدیت کا عنصر نمایاں ہے جس سے مدعا نگاری کا حسیں قرینہ آشکار ہوتا ہے۔ ان کی فکریات میں معقولیت ومعروضیت اور منطقیت اور استدلالیت کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ وہ قدیم وجدید افسانے کی مبادیات سے بخوبی آشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا افسانہ اپنے قاری پر اپنی گرفت مضبوط کرتا نظر آتا ہے۔ یوں ان کا افسانوی گراف بلند سے بلند تر ہوجاتا ہے۔

(۲۰)

کتاب: چراغِ زندگی
(شوکت صدیقی احوال وآثار اور منتخب افسانے)

مقالہ نگار: محمد علی منظر

رابطہ فون: 0333-3831990

اشاعت: مارچ 2023ء

صفحات: 208

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

کتاب ہذا کی تحقیقی و انتقادی حوالے سے حیثیت ایک مقالے کی سی ہے اور مقالہ ہذا

شوکت صدیقی کی بیشتر سوانحی و ادبی تحقیق پر محیط ہے۔ وہ شاعر و افسانہ نگار اور ناول نگار کی حیثیت سے دنیائے ادب میں اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ قبل ازیں کہ ہم مقالہ ہذا کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کریں، قارئین کے لیے مقالہ نگار یعنی محمد علی منظر کے ادبی پس منظر کی جانکاری بھی ناگزیر سمجھتے ہیں۔ ان کے ابھی دو مجموعہ ہائے کلام منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پہلا مجموعۂ شعر ''خواب نما'' ہے جو 2012ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا جبکہ دوسرا مجموعۂ کلام ''پانی کا لمس'' ہے جو 2019ء میں منصۂ شہود پر آیا۔ ان کا تیسرا مجموعۂ کلام ''کشتیاں سبز بادباں نیلا'' ابھی زیرِ ترتیب ہے۔

کتاب ہذا کا پیش لفظ محمد علی منظر نے ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے خود لکھا ہے۔ ''فکشن کی محبت میں'' کے عنوان سے رفاقت حیات نے اپنے تاثرات سپردِ قرطاس کیے ہیں۔ مقالے کی بقیہ تبویب کچھ یوں کی ہے۔ باب اول شوکت صدیقی کے حالاتِ زندگی کے حوالے سے ہے۔ دوسرا باب ان کی ناول نگاری کی نسبت سے ہے جس میں ان کے تین ناول، خدا کی بستی، جانگلوس اور چاردیواری شامل ہیں۔ تیسرا باب ان کی افسانہ نگاری کے تناظر میں ہے جس میں ان کے افسانوں کا موضوعاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا باب بعنوان گفتگو ہے جس میں ادبی و تخلیقی نظریات کے پس منظر میں شوکت صدیقی کا انٹرویو شامل ہے۔ اسی باب میں ہی کتابیات اور رسائل و جرائد کے مزید شعبہ جات قائم کیے گئے ہیں۔ پانچواں باب شوکت صدیقی کے مختلف افسانوں پر مبنی ہے جس میں ان کے درج ذیل افسانے شامل ہیں۔

1۔ ڈھیالی

2۔ عشق کے دو چار دن

3۔ خلیفہ جی

4۔ غزل اس نے چھیڑی

5۔ تیسرا آدمی

کتاب ہذا کے حوالے سے رفاقت حیات کے تاثرات میں سے ایک اقتباس نذرِ قارئین

ہے۔ یہ اقتباس بیک ٹائٹل کا حصہ ہے۔

''اس کتاب میں شوکت صدیقی کے ناولوں اور افسانوں کی عقدہ کشائی کے پہلو بہ پہلو محمد علی کی تنقیدی بصیرت بھی چھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔انہوں نے ناولوں اور انسانوں کی تعریف وتشریح پر مبنی آراء دینے کے ساتھ بعض تنقیدی آراء کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔ ان کا یہ رویہ انہیں فکشن کے نقاد کے قریب لے جاتا ہے۔ حقیقی شاعر ہونے کے باوجود فکشن کے ساتھ محمد علی منظر کی محبت کا یہ تعلق قابلِ رشک و ستائش ہے۔''

محمد علی منظر نے اس کتاب کی بدولت جہاں شوکت صدیقی کے سوانحی حالات کو نذرِقارئین کیا ہے، وہاں ان کے ناولوں اور افسانوں کے توسط سے حقیقی زندگی کے خدوخال اجاگر کرنے کی سعیِ جمیل بھی کی۔ یوں انہوں نے جہاں ادب برائے زندگی کے نظریے کی نمائندگی کی ہے، وہاں انہوں نے نظریہء ادب برائے ادب کی نمائندگی بھی کی ہے۔ یہ کتاب فکشن کی دنیا میں ایک خوبصورت اضافہ قرار دی جاسکتی ہے جواز منہء فردا میں بھی قارئینِ ادب کے لیے اکتسابِ فیض کا ساماں رہے گی۔ کیونکہ اس کے افادی پہلو ناقابلِ فراموش اور لازوال ہیں۔

(۲۱)

کتاب:	وارداتِ قلب (سفرنامہء حج)
سفرنامہ نگار:	نیلوفر سمیع
اشاعت:	مارچ 2023ء
صفحات:	96
قیمت:	500 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

حج وعمرہ کی سعادت کسی فرخندہ نصیب مسلمان مرد وزن کے حصے میں آتی ہے اور اہلِ قلم طبقے میں وہ شاعر وادیب زیادہ خوش قسمت ہوتا ہے جسے حج وعمرہ کا سفر نامہ لکھنے کا اعزاز حاصل ہو۔ نیلوفر سمیع کا شمار بھی ایسے ہی خوش نصیب اربابِ فکر ونظر میں ہوتا ہے جنہیں حج کا مبارک سفر نامہ لکھنے کا موقع ملا ہے۔ سفر نامہ ہذا کے تاثرات نگاروں میں پروفیسر منور رؤف، بشریٰ فرخ اور نیلوفر سمیع کے اپنے تاثرات شامل ہیں۔ ان تاثرات میں سے کچھ اقتباسات نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں تاکہ ادبی حوالے سے اس سفرنامے کو مزید اجاگر کیا جا سکے۔

”نیلوفر نے حج بیت اللہ کے تجربات وتاثرات کو نہایت دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے، انہوں نے اس مبارک سفر کی جو تفصیلات اس سفر نامہ میں بیان کی ہیں، اس میں نیلوفر کی قوتِ مشاہدہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ موصوفہ نے اپنے تجربات و مشاہدات کو نہایت بے تکلفی سے بیان کیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ نیلوفر اپنے قاری کو ذہنی طور پر ادائیگی حج میں برابر کا شریک رکھنا چاہ رہی ہیں۔“

(پروفیسر منور رؤف، سابق چیئرمین شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی)

”محبت بھرے جذبات کا مجموعہ، سادہ الفاظ، سادہ زبان، کوئی بناوٹ نہیں، کوئی ریاکاری نہیں، جو محسوس کیا، بڑی سادگی سے بیان کر دیا۔ میں اسے ادب پارہ تو نہیں کہہ سکتی، ہاں یہ کہہ سکتی ہوں کہ یہ نثر پارہ آپ کی عقیدتوں اور محبتوں میں اضافے کا سبب ضرور بنے گا۔ کیونکہ جس عقیدت اور محبت سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، تو یہ سارے محسوسات محبت کرنے والے دلوں پر ضرور اثر انداز ہوں گے۔ اس مصنوعی دنیا میں رہنے والا ایک سچا اور کھرا انسان ہی ہر مصلحت کو نظر انداز کر کے اس بات کا اقرار کر سکتا ہے کہ مجھے حج کا کوئی شوق نہیں تھا اور یہ ایک جملہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ نیلوفر کے قلم میں کہیں کوئی مصنوعی پن نہیں ہے، جو سچ تھا صفحۂ قرطاس پر بکھر گیا۔“

(بشریٰ فرخ، چیئر پرسن، کاروان لٹریری فورم، پشاور ص:13)

''حج کا یہ سفرنامہ تحریر کرتے وقت کئی بار لکھتے لکھتے قلم رک جاتا تھا، وہی دلی کیفیت ہوئی، آنسو پونچھ کر دوبراہ لکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ میں نے کوئی تحقیق نہیں کی، کوئی تاریخی جغرافیہ نہیں لکھا، کسی گوگل کا سہارا نہیں لیا، میرے لیے یہ ایک نئی دنیا تھی۔ جو آنکھوں سے دیکھا، جو دل نے محسوس کیا، وہی لکھا۔ بس یہ سبب جذبات و احساسات اور مشاہدات ہیں۔ انداز شاید ادیبانہ نہ ہو، لیکن جو بھی لکھا، حقیقت پر مبنی ہے۔کوئی بناوٹ یا تصنع نہیں ہے۔''

(نیلوفر سمیع، ص:8)

یہ ایک اظہر من الشّمس حقیقت ہے کہ جو کام فطری انداز میں کیا جاتا ہے، اس کی کامیابی حقیقی ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت اور قدر و منزلت مسلمہ و مصدقہ ہوتی ہے کیونکہ فطری رچاؤ کسی تصنیف کی مقبولیت و پذیرائی کا اصل راز ہوتا ہے۔ اس سفرنامے کی تبویب انہوں نے نو ابواب میں کی ہے۔ ان کے اس سفرنامے کی قرأت سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اگر اس صنفِ ادب میں ان کی ریاضت کا عمل تواتر سے جاری رہا تو وہ نئے امکانات کے ابواب وا کرنے میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے۔

(۲۲)

کتاب: لکھنا منع ہے (طنز و مزاح)

مصنف: رفیق بلوچ

رابطہ فون: 0333-2481009

اشاعت: 2023ء

صفحات: 128

قیمت: 700 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

ویسے تو ادب کے تمام تر شعبے بسیط ریاضت کے متقاضی ہیں کیونکہ کسی بھی شعبے کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اگر معاملہ طنز و مزاح کا ہو تو یہ ذمہ داری مزید مشکل ہو جاتی ہے اور طنز و مزاح بھی ایسا جس میں تعمیر و ارتقا کے مقاصد شامل ہوں تو پھر یہ ذمہ داری اور بھی بھاری ہو جاتی ہے۔ کسی بھی مصنف کے لیے اس سے عہدہ برآ ہونا کارِ محال ہو جاتا ہے۔ لیکن بفضلِ تعالیٰ رفیق بلوچ اس حوالے سے خاصے کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے فکری کینوس میں سماج سدھار جذبے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسے ان کی انسان دوستی بھی قرار دی جا سکتی ہے اور ان کی ترقی پسند سوچ سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی کتاب ''لکھنا منع ہے'' ایک خاصے کی چیز ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

کتاب کا پیش لفظ انہوں نے خود لکھا ہے جس کی بدولت ان کی افتادِ طبع کا تعین بہ حسن و خوبی کیا جا سکتا ہے اور تقریظ کے عنوان سے تاثرات انوار احمد علوی سے منسوب ہیں جو متعلقہ موضوع یعنی طنز و مزاح میں ایک اختصاصی مہارت رکھتے ہیں۔ کتاب کے بیک ٹائٹل پر ناشر رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی شاعر علی شاعرؔ کے تاثرات کتاب ہذا کی زینت ہیں۔ ان تاثرات سے چند اقتباسات نذرِ قارئین ہیں:

''قارئین سے التماس ہے کہ پڑھتے وقت تھوڑا تھوڑا ہنسنا نہ بھولیے گا ورنہ میری تمام محنت ضائع ہو جانے کا امکان ہے۔ میں نے اس کتاب کو لکھنے میں اتنی محنت نہیں کی جتنی اس کے چھپوانے میں کی ہے (اگر لکھنے میں کرتے تو چھپوانے میں نہیں کرنی پڑتی)۔ کتنے مخیر حضرات اور ادب شناس لوگوں کے پاس جا کر ان کے پیر پکڑے اور عاجزانہ اپیل کی کہ کتاب کو چھپوانے میں میری مدد کریں مگر (کتاب پڑھنے کے بعد) سب لوگوں نے مجھے چائے پلا کر گھر سے رخصت کر دیا۔

یہاں تک کہ میں علاقے کے سب سے بڑے منشیات فروش کے پاس بھی یہی التجا لے کر گیا۔ جواب میں انہوں نے مجھ سے تحقیر آمیز لہجے میں کہا کہ ان کے پاس حرام کا پیسہ نہیں کہ ان خرافات پر خرچ کرے۔ میں نے ان سے صرف یہ پوچھا کہ سیٹھ صاحب! کیا منشیات کے سارے پیسے خرچ ہو گئے ہیں؟ بس اتنی سی بات پر اتنے غصے میں آئے کہ اپنے کارندوں کے ذریعے میری وہ دھنائی کی کہ آج تک ہڈیوں میں درد باقی ہے۔"

(پیش لفظ از رفیق بلوچ، ص:7)

"اگرچہ اس کتاب میں ماسوائے عنوان کے پڑھنے والی کوئی بات نہیں لیکن پھر بھی قارئین سے التماس ہے کہ کم از کم ایک کتاب ضرور خرید لیں (بے شک اسے نہ پڑھیں)۔ آپ کی اس سخاوت سے اردو ادب کو تو شاید فائدہ نہ پہنچے لیکن کتاب کے مصنف کا قرض ادا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی دل شکنی مناسب نہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر آپ اس طرح کتابیں نہیں پڑھیں گے تو آپ کے دل میں بطور پطرس بخاری، کرنل محمد خان، مشتاق احمد یوسفی اور انوار احمد علوی جیسے بلند پایہ مزاح نگاروں کی قدر و منزلت کیسے پیدا ہوگی۔"

(تقریظ از قلم انوار احمد علوی، ص:10)

اب ذرا کتاب ہذا کے ناشر شاعر علی شاعرؔ کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

"جناب رفیق بلوچ نے اس کتاب میں ایسے ہی لوگوں پر قلم اٹھایا ہے جو مسلم معاشرے میں غیر اسلامی کام کر رہے ہیں اور عوام الناس کے لیے پریشانیوں کا باعث بن رہے ہیں۔ مصنف نے ایسے لوگوں کے خلاف لکھنے کا آغاز کر کے قلمی جہاد شروع کر دیا ہے مگر ان کے ہاتھ میں ہتھوڑا نہیں، قلم ہے اور انہوں نے قلم کے ذریعے طنز و مزاح کو اپنا اسلوبِ اظہار بنایا ہے۔"

(شاعر علی شاعرؔ، پسِ سرورق)

اب ذرا کتاب ہذا کی فہرست مضامین ملاحظہ کریں۔

1۔کتانامہ	2۔شیخ چلی کی واپسی
3۔سوشل انارکی	4۔چڑیل کی محبت
5۔گورکن	6۔لکھنا منع ہے
7۔گداگری ایک منافع بخش کاروبار	8۔بچے ہمارے عہد کے
9۔ایمبولینس کے دیگر فوائد	10۔لوٹے کی آپ بیتی
11۔گدھوں کی بڑھتی ہوئی آبادی	12۔بول مگر پیار سے
13۔ملاگلائی	14۔قصہ گدھے کو باپ بنانے کا
15۔لیلیٰ نظر آتا ہے	16۔شرافت
17۔سی پی آر	

طنز و مزاح لکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔کتاب ہذا کے مندرجات سے یہ بہ حسن وخوبی تعین کیا جا سکتا ہے کہ رفیق بلوچ اس کارِفرہاد میں کامیاب ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔مگر اس سلسلے میں انہیں ریاضت کے عمل کو تواتر سے جاری رکھنا ہوگا۔یوں وہ ملک کے معتبر مزاح نگاروں کی فہرست میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

(۲۳)

جریدہ:	رنگِ ادب (کتابی سلسلہ نمبر 63)
دورانیہ:	یکم جنوری 2023ء تا 31 مارچ 2023ء
مدیراعزازی:	شاعرعلی شاعرؔ
رابطہ فون:	0336-2085325
اشاعت:	اپریل 2023ء

صفحات: 160

قیمت: 500روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

رنگِ ادب ملک بھر میں واحد ادبی جریدہ ہے جو تواتر سے اپنی اشاعت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔گرانی کے اس عہدِ بے ثمر میں یہ عمل یقیناً کارِفرہاد سے کم نہیں ہے۔جریدہ ہذا نے تخلیق وتحقیق اور تنقید کی ایک شاندار روایت قائم کی ہے۔اس موقر ادبی جریدے میں ادب کے تمام شعبوں کو بلاتعصب اور غیر جانبداری سے نمائندگی دی جاتی ہے۔ جہاں تک اس کی ترسیل کا تعلق ہے تو یہ ملک گیر نوعیت کی حامل ہے۔اس سارے عمل میں اس کے مدیر شعر علی شاعر کی شبانہ روز کاوشوں کا عمل دخل ضرور ہے۔ وہ ملک گیر رابطوں کے حامل ہیں اور ہمہ جہت ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔شمارہ ہذا کے مندرجات حسبِ ذیل ہیں۔

شمارے کا اداریہ شاعر علی شاعرؔ نے خودلکھا ہے۔اس کے بعد حمد ونعت کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں ایک حمد اور نعت شامل کی گئی ہے۔اس کے بعد غزل ونظم کا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔اس سے آگے رنگِ تنقید کا شعبہ ہے جس میں تنقیدی مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔مزید برآں رنگِ افسانہ کے نام ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں رنگِ متفرقات کے نام سے طنز ومزاح کا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔اس کے بعد تبصرات کا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ بعد ازیں متفرقات کا شعبہ ہے۔ شمارے کے آخر میں خطوط کوشامل کیا گیا ہے۔

یوں اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ ایک منفرد ادبی جریدہ ہے۔

(۲۴)

کتاب: ہم ابھی رستے میں ہیں

شاعر/مصنف: حامد یزدانی

اشاعت: 2023ء

صفحات: 224

قیمت: 500روپے

ناشر: سانجھ پبلیکیشنز لاہور

رابطہ: 0333-4051741

حامد یزدانی کا تعلق پنجاب کے معروف صنعتی شہر فیصل آباد سے ہے۔ اگرچہ وہ لاہور میں بھی مستقل طور پر سکونت پذیر رہے ہیں مگر اس وقت وہ کنیڈا میں مقیم ہیں۔ وہ ادبی حوالے سے کافی مسافت طے کر چکے ہیں۔ تقریباً نصف درجن کے قریب ان کی ادبی تصانیف منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، جن کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ ابھی تک خواب رہتا ہے (اردو شاعری) 1992ء/ 2007ء

2۔ رات دی نیلی چپ (پنجابی شاعری) 2002ء

3۔ گہری شام کی بیلیں (اردو شاعری) 2007ء

4۔ اطاعت (اردو نعتیں) 2010ء

5۔ خالی بالٹی اور دوسرے افسانے (افسانے) 2022ء

6۔ ہم ابھی رستے میں ہیں (اردو شاعری) 2023ء

ان کا شعری مجموعہ ''ہم ابھی رستے میں ہیں'' غزلیات و منظومات اور متفرقات پر مشتمل ہے۔ کتاب ہذا کے تاثرات نگاروں کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ غلام حسین ساجد

2۔ نسیم سید

3۔ نوید صادق

4۔ ڈاکٹر سہیل

کتاب ہذا میں زیادہ تر منظومات منثوری نوعیت کی ہیں جن میں نہ شعریت کی چاشنی ہے اور نہ تخیل کی رفعت ہے۔ایسی منظومات قاری پر اچھے اثرات مرتب کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ جن منظومات میں عروضی تلازمات کا استخدام نہ ہو، وہ آہنگ اور غنائیت سے محروم ہوتی ہیں۔اس حوالے سے ان کی ایک نظم بعنوان ''ایک تنہائی'' ملاحظہ ہو:

رات کو
آسمان کہتے ہیں
یاد کو بادبان کہتے ہیں
ڈھلتے بادل کو خواب کی کشتی
استعارے زبان رکھتے ہیں
شب ڈھلے پر مکالمہ ہوگا
یہ ستارے زبان رکھتے ہیں
چاند اک بے زباں تماشائی
تا بہ لاہور ایک تنہائی

(ص:89)

جہاں تک ان کی غزلیات کا معاملہ ہے، تو وہ بھی کچھ تسلی بخش نہیں۔لہٰذا انہیں فن کی طرف مخلصانہ مراجعت کی ضرورت ہے اور انہیں فکر و فن کی ریاضتِ بسیار درکار ہے۔

(۲۵)

کتاب: قریہء شب
شاعر/مصنف: حسن ابنِ ساقی
رابطہ فون: 0325-0863150

اشاعت: 2023ء

صفحات: 96

قیمت: 600روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

حسن ابن ساقی ایک جواں سال شاعر ہیں جن کا تعلق شہرِ اقتدار اسلام آباد سے ہے۔ انہوں نے اعتماد کی فضا میں اپنا اولین شعری مجموعہ کلام بعنوان ''قریہ ءِ شب'' نذرِ قارئین کر دیا ہے۔ مجموعہ ہذا میں غزلیات و آزاد منظومات شامل ہیں۔ تعددی اعتبار سے غزل کو برتری حاصل ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزل سے انہیں فطری لگاؤ ہے۔ اس سے قبل کہ ہم کتابِ مذکور کے حوالے سے کچھ تبصرہ آرائی کریں، کتاب ہذا کے حوالے سے اہلِ فکر و نظر کی آرا بھی جاننا انتہائی ضروری ہے۔ تاثرات نگاروں کے تاثرات سے کچھ منتخب اقتباسات حسبِ ذیل ہیں۔ واضح رہے کہ یہ کتاب کے مشمولہ تاثرات ہیں۔

''شاعری خداداد صلاحیت ہے۔ کوئی بھی استاد شاعر کسی بھی شاگرد کو شاعر نہیں بنا سکتا، الا یہ کہ اس سیکھنے والے میں قدرتی طور پر شاعرانہ وصف موجود ہو۔ اس کی فطرت میں نغمگی ہو، موزوں طبع ہو اور پھر استاد ان صلاحیتوں کو مزید نکھارے تو ایک اچھا شاعر منظرِ عام پر آتا ہے۔ حسن ابن ساقی کی شاعری نظر سے گزری ہے۔ ان کی شاعری میں ایک فطری شاعر کی خوبیاں کماحقہٗ موجود ہیں۔ احساسات کی بہترین ترجمانی کرتی نظمیں اور غزلیں جنہیں پڑھ کر آپ کو محسوس ہوگا کہ بھئی واہ! یہ تو گویا میرے دل کی ہی آواز ہے۔ عاشقی کے سچے جذبات کو بیان کرنے کا وصف بھی کمال ہے۔''

(صاعقہ علی نوری، اسلام آباد، ص:19)

''حسن ابنِ ساقی کی کتاب ''قریہ ءِ شب'' سے کچھ کلام دیکھے، خوشگوار حیرت کے

ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حسن ابن ساقی وادیٔ سخن کا وہ رہرو ہے جس نے کم وقت میں زیادہ سفر طے کیا ہے۔ اگر ہمارے نوجوان اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے تو اردو ادب کا زوال ماضی کی داستان بن کر رہ جائے گا اور روشن مستقبل اردو ادب کا مقدر ہوگا۔''

(شاعر و ادیب شہزاد احمد شاذ، گجرات۔ص:12)

''آج میں جس خاص انسان کا ذکر کرنے لگی ہوں، ان صاحب کی عمر محض اٹھارہ سال ہے مگر جب ان کے کلام کو پڑھا تو اندازہ ہوا کہ ان کے اندر بھی ایک شاعر کی روح پھونک دی گئی ہے۔ جی میں بات کر رہی ہوں نوجوان اُبھرتے ہوئے شاعر محمد حسین عرف ابنِ ساقی کی۔ جب ان کا کلام موصول ہوا تو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ اتنی کم عمر اور اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں بھی اردو سے لگاؤ رکھنے والی نوجوان نسل موجود ہے۔''

(ناول نگار کبریٰ، اسلام آباد۔ص:14)

''ان کی شاعری میں کائناتی سچائی پائی جاتی ہے۔ اپنے پر کشش دل سوز جذبات کو سمیٹتے ہوئے ان کی شاعری میں حقیقت کا رنگ چھلکتا ہے۔ الفاظ کا چناؤ نہایت عمدہ ہے اور شیریں ہے جبکہ ربط و ضبط بھی پایا جاتا ہے۔''

(زروارائے، گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ص 15)

''میری نظر سے ان کی چند غزلیں گزری ہیں لیکن آثار بتاتے ہیں کہ ان کا مستقبل شعری حوالوں سے روشن ہے اور ان کا شعری اسلوب خوب ہے۔ خدا نے انہیں شعر گوئی کی توفیق بخشی ہے۔ سادہ اور دل کو چھو لینے والے شعر کہتے ہیں۔''

(شاعر احمد مسعود، ڈیرہ اسماعیل خان۔ص:17)

''حسن ابنِ ساقی نے قلیل عرصہ میں ارتقائی مراحل طے کیے۔ ان کو شعر کہتے ہوئے تقریباً دو سال ہونے کو ہیں۔ غزل کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی ان کا اظہاراتی

اسلوب دامنِ توجہ کھینچ لیتا ہے۔"

(محمد علی مکی، سکھر۔ص:20)

حسن ابنِ ساقی کے ہاں کلاسیکی شعری موضوعات وفور سے پائے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روایت سے ان کا رشتہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ رومان ان کی شاعری کا ایک ابھرتا ہوا موضوع ہے جو اپنی بیشتر جزئیات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان کی شعری طبع کچھ حزنیہ نوعیت کی ہے۔ اس لیے ان کے کلام کے اندر فزوں تر تاثیر پائی جاتی ہے۔ ان کے ہاں عصری رویے بھی اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہیں۔ مزید برآں ان کے ہاں تنقیدی رویے بھی آشکار ہوتے ہیں جو ان کی بالغ نظری کی نشاندہی کرتے ہیں۔ نمونہء کلام کے طور پر ان کی ایک غزل نذرِ قارئین ہے جو بحر ہزج مثمن سالم میں کہی گئی ہے۔ جس کے عروضی ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن ہیں۔

محبت میں بھلا تو نے مجھے کیوں آزمانا ہے
نمک میرے ہی زخموں پر مسیحا کیوں لگانا ہے
ذرا اتنا بتا دے اب مجھے کیا چاہیے مجھ سے
مجھے اپنا بنا کر تو نے آخر چھوڑ جانا ہے
تو مجھ سے پوچھتا ہے کیا تجھے میں کیا سناؤں اب
جو پہلے دن سنایا تھا وہی قصہ سنانا ہے
بہت ہی ناامیدی کا سماں ہے عہدِ دوراں میں
ہمی نے نوجوانوں کو یہاں جذبہ دلانا ہے
حسن اب کوچ کرتے ہیں کہ سب واعظ بنے بیٹھے
جسے دیکھو اسی نے ہی نیا فتنہ جگانا ہے

(ص:52)

ابھی حسن ابنِ ساقی کے سخن کا نکتہء آغاز ہے، دیدہ باید کہ مستقبل میں ان کی فکر اور فن کیا

کروٹ لیتے ہیں کیونکہ انہیں فکر وفن کی ریاضتِ بسیار درکار ہے۔ بہرحال ان میں حوصلہ افزا امکانات پائے جاتے ہیں جوان کے بہتر شعری مستقبل کی نوید ثابت ہو سکتے ہیں۔اگران کا کشیدِ جاں لٹانے کا عمل یونہی خلوص اورلگن سے جاری رہا تو فردائی ادوار میں ان سے بہتر توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

(۲۶)

کتاب:	پروفیسر ہارون الرشید؛ حیات وخدمات
مصنف:	ساجد رشید
رابطہ فون:	0332-2348743
اشاعت:	2023ء
صفحات:	128
قیمت:	700 روپے
ناشر:	ہارون پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0332-2243868

پروفیسر ہارون الرشید دنیائے شعر و ادب کی ایک معتبر شخصیت ہیں۔اگر انہیں دبستانِ کراچی کا ایک وقیع نمائندہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔وہ جہانِ ادب کے ایک ایسے بطلِ جلیل ہیں جنھوں نے اپنی تمام تر حیات ادب کے لیے وقف کردی۔یہ انہی کا ہی فیضانِ کرم ہے کہ ان کے تمام تر اہلِ خانہ ادب کا گہرا شوق وشغف رکھتے ہیں۔یہ ان کے ہی مرتب کردہ اثرات ہیں کہ مشیت کی طرف سے ان کے اہلِ خانہ کو ذوقِ علم وادب ودیعت کیا گیا ہے۔کتاب ہذا کے مصنف ساجد رشید بھی انہی کے فرزندِ ارجمند ہیں اور وہ ایک بھرپور ادبی زندگی گزار رہے ہیں۔وہ ایک مبصر کی حیثیت سے بھی جہانِ ادب میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتے ہیں اور تواتر سے تصنیفی و

تالیفی عمل سے گزر رہے ہیں۔

مصنفِ مذکور ساجد رشید نے پروفیسر ہارون الرشید؛ حیات وخدمات کو چھ زمانی ادوار میں منقسم کیا ہے جس سے ان کے معاملاتِ ادب کی تفہیم و تحقیق کا عمل سہل تر ہو گیا ہے۔ کتاب ہذا کے بنظرِ غائر مطالعہ سے اس کتاب کی تحقیقی وانتقادی زرخیزی آشکار ہوتی ہے اوران کی ادبی جہات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس کتاب کے تاثرات نگاروں میں شفیق احمد شفیق، نسیم انجم، حشمت اللہ صدیقی اور زاہد رشید کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ساجد رشید کا یہ تحقیقی وانتقادی ادبی کارنامہ نا قابلِ فراموش ہے جس کی اہمیت فردائی ادوار میں بھی بڑی شدت وحدت سے محسوس کی جائے گی۔

(۲۷)

کتاب:	پاکستان کے نعت گو شعراء (تذکرہ جلد پنجم)
محقق و مصنف:	سید محمد قاسم
اشاعت:	2023ء
صفحات:	336
قیمت:	1500 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

تذکرہ نگاری کو دنیائے تحقیق وتنقید میں مبادی حیثیت حاصل ہے اور سید محمد قاسم نعت نگاری کی تذکرہ نگاری کے تناظر میں بے پناہ مقبولیت کے حامل ہیں۔ اس حوالے سے ان کا کتابی سلسلہ ''پاکستان کے نعت گو شعرا'' کی پانچ ضخیم جلدیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ کتاب ہذا بھی سلسلہ ء مذکور کی تا دمِ تحریر آخری کڑی ہے جس میں انہوں نے ایک سو نناوے نعت گو شعرا کا تذکرہ مرتب کیا ہے اور نعت گو شعرا کو حروفِ ابجد کی ترتیب کے لحاظ سے شامل کیا ہے۔ محقق مذکور کی قبل

ازیں درج ذیل تصانیف زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

1۔ پاکستان کے نعت گو شعرا (جلد اول تا جلد پنجم)

2۔خاک میں پنہاں صورتیں، کراچی

3۔ پاکستان میں غزل کے نعت گو شعرا

4۔آثارِ علامہ ابن سیرین

5۔تذکرۂ مفسرینِ پاکستان

6۔کتاب الدعا

کتاب ہذا کے حوالے سے معروف تبصرہ نگار زاہد رشید کچھ یوں رقم طراز ہیں۔

''سید محمد قاسم مشہور اور معروف تذکرہ نگار ہیں۔تین دہائیوں میں آپ نے تذکرہ نگار کی حیثیت سے جو شہرت اور مقام و مرتبہ حاصل کیا ہے، وہ قابلِ قدر بھی ہے اور لائقِ تحسین بھی۔ بہت سے اہلِ قلم زندگی بھر ادبی دشت کی سیاحی کے بعد بھی یہ مقام و مرتبہ حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔مسلسل محنت، لگن، جدو جہد، سعی و عمل، مطالعہ، تحقیق اور زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے انہیں نے قلم کو رکنے نہیں دیا۔ ناموافق حالاتِ زندگی میں بھی تذکرہ نگاری سے اپنا تعلق برقرار رکھا تو یہ مقام حاصل کیا ہے۔قاسم صاحب کے تذکرے محض طبع شدہ کتب میں اضافے کے لیے ہرگز نہیں بلکہ وہ بہت سوچ سمجھ کر غور و فکر کے بعد ایک موضوع کا انتخاب کرتے ہیں جو افادیت کا حامل ہو۔ اس موضوع پر کام نہ ہوا ہو یا نہ ہونے کے برابر ہو۔ وہ اس پر بس نہیں کرتے، اس موضوع کے متعلق کتب کے لیے تن من دھن سے برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں۔گویا حوالہ جاتی کتب کا حصول بھی آپ کی انفرادیت ہے۔ یوں آپ کے تذکرے بڑے جامع اور معلوماتی ہوتے ہیں۔مآخذ کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے۔

سید محمد قاسم کے اس نعتیہ تذکرے میں نہ صرف نعت نگاروں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے بلکہ ان کے تصانیفی حوالے بھی شامل ہیں اور نمونۂ کلام کے طور پر ان کا نعتیہ کلام بھی شامل کیا ہے۔ انہوں نے اپنا یہ تذکرہ مختصر مگر جامع انداز میں مرتب کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔جس میں وہ کسی

حد تک کامیاب و کامران بھی ہوئے ہیں۔ان کی اس تذکرہ نگاری میں لایعنیت اور عدم مقصدیت معدوم ہے جوان کی بالیدہ فکری کی مبینہ دلیل ہے۔ان کے ہاں معروضیت و معقولیت اور منطقیت کا مناسب اہتمام پایا جاتا ہے۔ جب بھی نعتیہ تذکرہ نگاری کے حوالے سے بات ہوگی ،تو سید محمد قاسم ناقابلِ فراموش اور نا قابلِ اعراض ٹھہریں گے۔امید ہے کہ ان کا یہ عظیم کارنامہ ان کے لیے توشہ ءدنیا و عقبیٰ قرار پائے گا۔ان کی دونوں جہانوں میں کامیابی کا سبب ٹھہرے گا۔

(۲۸)

کتاب: سورج کی طرح روشن روشن (کالموں کا مجموعہ)

مصنفہ: آصفہ نشاط

رابطہ فون: +13107330796

اشاعت: 2023ء

صفحات: 244

قیمت: 700 روپے

ناشر: اردوسخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)

رابطہ: 0302-7844094

جن کو علم و ادب سے دوستی میسر آتی ہے، وہ لوگ نہ صرف امر ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اہلِ دنیا کے لیے مینارۂ نور بھی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ جذبہ ءخیر کے آمین اور داعی ہوتے ہیں۔ ایک جذبہ ءخیر خواہی اور انسان دوستی انہیں سوئے منزل رواں دواں رکھتا ہے۔آصفہ نشاط کا شمار بھی انہی فرخندہ نصیب ہستیوں میں ہوتا ہے۔وہ شاعری اور افسانہ نگاری کی دنیا میں خوب نام کما چکی ہیں۔ اب انہوں نے دنیائے صحافت میں بھی اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے عمل کا آغاز کر دیا ہے۔ اس سے پہلے وہ امریکہ سے شائع ہونے والے مختلف اردو میگزینوں میں اپنی کالم نگاری

کے جوہر دکھاتی رہی ہیں۔کالم نگاری کے کتابی سلسلے میں ان کی اولین پیش رفت کتاب ہذا ہے۔

وہ امریکہ میں مقیم ایک پاکستانی نژاد شاعرہ و مصنفہ ہیں۔ خامہ وقرطاس سے ان کا تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔اپنی کشیدِ جاں سے اپنی صلاحیتوں کے جواہر لٹا رہی ہیں۔ یوں ان کے ارتقا کا سفر تواتر و تسلسل سے جاری وساری ہے۔

زیرِ تبصرہ تصنیف ان کے تین درجن کالموں کا مجموعہ ہے جس میں وہ ایک ماہر اور مضبوط و منضبط کالم نگار کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ان کا موقف تندرست وتوانا ہونے کے پہلو بہ پہلو غیر جانبداری کا حامل بھی ہے۔جس سے ان کی بالیدہ فکری کا پہلو بہ حسن وخوبی عیاں ہوتا ہے۔ان کے نکتہ ءنظر میں ایک آفاقیت ومثالیت ہے۔ ان کے ہاں گہرائی اور گیرائی کا ایک فلسفہ کارفرما ہے۔اس لیے ان کے فحوائے بیاں میں ایک معقولیت ومعروضیت اور ایک منطقیت پائی جاتی ہے جو ان کی مقبولیت و ہردلعزیزی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

کتاب ہذا میں شامل کالموں کی نوعیت بیک وقت قومی وملی بھی ہے اور سیاسی وسماجی بھی ہے۔ان کا اندازِ بیاں سادہ، برجستہ اور تاثیرات کی کیفیات سے مالامال ہے۔ وہ ایک کامیاب کالم نگار کی طرح سماج کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھنے کا ملکہ رکھتی ہیں، جس کے باعث ان کے بیان میں بالیدگی کا ایک حسین قرینہ آشکار ہوتا ہے۔ یوں وہ مدعا نگاری کی مقتضیات سے بخوبی آشنا ہیں۔ لایعنیت و عدم مقصدیت کے عناصر ان سے گریزاں نظر آتے ہیں بلکہ ان کے ہاں مقصدیت کو فروغ حاصل ہے۔

دراصل یہ کالم امریکی شہر لاس اینجلس جو ریاست کیلیفورنیا میں ہے، سے چھپنے والے اردو اخبار ''شہرت'' میں شائع ہوئے ہیں، جنہیں عوامی حلقوں میں مقبولیت وپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ پھر وہ انہیں قارئین کے لیے اس کتاب کی صورت میں سامنے لے آئیں۔تصنیف ہذا کے تاثرات نگاروں میں ڈاکٹر حسن الدین ہاشمی، ڈاکٹر یٰسین عاطر، سیف اللہ درویش، افضل خان، عزیز بلگامی اور سہیل ثاقب کے اسمائے گرامی شامل ہیں جبکہ اس کا دیباچہ کالم نگار نے خود لکھا ہے۔ علاوہ ازیں ''حقیقی تہذیبی ارتقا کی طلب گار'' سے معنون تحقیقی وتجزیاتی نوعیت کا شذرہ کتاب ہذا

کے ناشر ناصر ملک سے منسوب ہے جس میں اس کتاب کی حقیقی قدر و قیمت اور اہمیت کو واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

بلاشبہ اگر آصفہ نشاط کی کالم نگاری کے میدان میں ریاضت جاری رہی تو ان شاءاللہ وہ دن دور نہیں جب وہ اس شعبے میں نہایت معتبر اور مضبوط حوالے کا استحقاق پائیں گی۔

---

(۲۹)

کتاب: گزشتہ

شاعر/مصنف: پروین سجل

اشاعت: 2023ء

صفحات: 208

قیمت: 800 روپے

ناشر: سجل پبلی کیشنز، لاہور

رابطہ: 0333-4294708

پروین سجل عصرِ حاضر میں اردو اقلیمِ سخن کی ایک معتبر شخصیت ہیں۔ اس حوالے سے ان کے دس مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ پنجابی زبان میں بھی طبع آزمائی کرتی ہیں۔ اس تناظر میں بھی ان کا ایک مجموعہ ءکلام بہ عنوان ''سونہہ'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ مزید برآں ان کا تعلق دنیائے صحافت سے بھی ہے۔

مجموعہ ہذا غزلیات و نظمیات پر مشتمل ہے۔ غزل کے حوالے سے ان کے ہاں ہر نوع کے فکری و فنی تجارب پائے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے ہاں مسلسل غزل بھی ہے اور غیر مسلسل غزل بھی ہے۔ مزید برآن ان کے شعری کینوس پر مردف اور غیر مردف غزلیات بھی پائی جاتی ہیں۔ نظم کے تناظر میں ان کے فحوائے بیاں میں مختلف النوع ہیئتی تجربات کارفرما ہیں جن میں نظم کی کلاسیکی

پابند ہیئتیں بھی شامل ہیں اور آزاد نظم بھی ہے۔ علاوہ ازیں نظمِ منثور کا تجربہ بھی شامل ہے۔ غزل و نظم کے حوالے سے ان کے متنوع تجربات اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ وہ دنیائے فکر و فن پر کتنی دستگاہ رکھتی ہیں۔ اس شعری مجموعہ کے تاثرات نگاروں میں پروفیسر ڈاکٹر ایوب ندیم اور شاعر علی شاعرؔ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

پروین سجل ان معدودے چند شاعرات کی فہرست میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں جو علم العروض کا نہ صرف ادراک رکھتی ہیں بلکہ عروضی تلازمات کا استخدام بھی بہ حسن وخوبی کرتی ہیں۔ گویا ان کے ہاں عروض کا اطلاقی پہلو بھی صحت مند اور تندرست و توانا ہے۔ انہوں نے مختلف النوع مفرد و مرکب اور آسان و مشکل بحور میں بڑی کامیابی سے مشاطگیٔ سخن کی ہے جو ان کی فنی چابکدستی اور قادرالکلامی کی بین دلیل ہے۔

پروین سجل کا جہانِ موضوعات بسیط و عریض ہے جن کے حوالے سے لکھنے کے لیے بھی دفتروں کے دفتر درکار ہوں گے مگر اجمالی طور پر ان کے کچھ موضوعات کا مذکور ناگزیر ہے۔ ان کے فحوائے شعر میں عزم و حوصلے کی ایک نئی فضا کارگر ہے جس میں ایک طرح کا احساسِ طرب بھی ہے اور رجائی امکانات کی چکا چوند بھی واضح انداز میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ ان کے ہاں نظریہء ادب برائے زندگی اور نظریہء ادب برائے ادب کے حوالے سے فزوں تر شواہد ملتے ہیں۔ ان کے ہاں زندگی کے حوالے سے تلخ تجربات بھی ہین اور عمیق نوعیت کی رومانویت بھی ہے۔ کہیں ان کا شعری اظہار حزنیہ رنگ اختیار کر جاتا ہے تو کہیں ردائے طرب اوڑھ لیتا ہے۔ ان کے ہاں لطیف وخوشگوار احساسات کی بازگشت بڑے موثر انداز میں سنائی دیتی ہے۔ گویا وہ قارئین کے ہاں شاعری کا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ یہی ان کے سخن کا ایک تندرست و توانا اور صحت مند راز ہے جو ان کے تخلیقی ارتقا میں بتدریج کردار ادا کر رہا ہے۔ ان کے شعری بیانیے میں ہمہ خوب است کی گردان ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک غیر جانبداری کی فضا پنپ رہی ہے۔

ان کی فکریات میں اظہارِ عجز و انکسار بھی پایا جاتا ہے جو ان کے ایک اچھے تخلیق کار ہونے کی علامت ہے۔ بقول شاعر:

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

اور

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

ان کے ہاں ایثار و مروت اور حب الوطنی کے امکانات بھی بھرپور نوعیت کے ہیں۔ان کے مجموعۂ مذکور ''گزشتہ'' سے ان کی غزلیات کے چند اشعارِ منتخبہ بطور نمونہء کلام نذرِ قارئین ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

آؤ اپنے خواب کو تعبیر اک انمول دیں
امن خاطر آؤ مل کر فاختہ پر کھول دیں
آؤ رنگوں کے غبارے چھوڑتے ہیں جس میں
گنبدِ بے در کو بھی آؤ کوئی ماحول دیں
سبز موسم کی رتوں سے جھولیاں سب کی بھریں
پھیلے نکہت چار سو خوشبو فضا میں گھول دیں
(ص:37)

آنسو کبھی آہیں تو کبھی درد ملا ہے
کس درجہ کڑی جرمِ محبت کی سزا ہے
(ص:41)

جب تک سراپا آپ کا میری نظر میں تھا
اک میٹھا میٹھا درد بھی یعنی جگر میں تھا
دیکھے بہت ہی خواب تھے محلوں کے دوستو
لیکن اگر سکوں ہے تو وہ اپنے ہی گھر میں تھا

(ص:43)

اسے موت سے ہو ہراس کیوں جسے زندگی نے مٹا دیا
مجھے دشمنون سے گلہ نہیں مجھے دوستوں نے دغا دیا
مری ابتدا مری انتہا کا معاملہ ہے عجیب سا
تری آرزو نے بنا دیا تری جستجو نے مٹا دیا
کہاں ترکِ عشق تھا حوصلہ مرے قلبِ جاں شعار کو
تری بے رخی نے یہ زہر بھی مگر آج مجھ کو پلا دیا

(ص:45)

ہم فقیروں سے دوستی کے لیے
وقت ٹھہرا نہ دو گھڑی کے لیے
خون ہم نے دیا ہے گلشن کو
غنچے غنچے کلی کلی کے لیے

امیدِ واثق ہے کہ پروین سجل کا یہ مجموعۂ شعر قارئینِ شعروادب کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ قرار پائے گا اور اہلِ ذوق کے لیے ایک خوانِ یغما ثابت ہوگا۔

(۳۰)

کتاب: ابوالبیان ظہور احمد فاتح کی ترجیحاتِ فکروفن

محقق ومصنف: شبیر ناقِدؔ

مبصر: شاعر علی شاعرؔ

اشاعت: 2023ء

صفحات: 144

قیمت: 700 روپے

ناشر: اردو سخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)

رابطہ: 0302-7844094

جہانِ ادب میں شبیر ناقِدؔ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ادب کے دونوں شعبوں یعنی نظم و نثر میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ تادمِ تحریر اس حوالے سے ان کی سینتالیس تصانیف زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں جن میں سے بائیس مجموعہ ہائے کلام ہیں اور ایک اردو شعری کلیات ہے جسے انہوں نے حصہ اول سے موسوم کیا ہے۔ باقی دو درجن تصانیف دنیائے تحقیق و تنقید سے علاقہ رکھتی ہیں۔ گویا انہوں نے نظم و نثر دونوں شعبوں سے انصاف کے تقاضے بطریقِ احسن نبھائے ہیں۔ وہ نسائی شعری تنقید کے ایک معتبر حوالے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا کتابی سلسلہ ''شاعراتِ ارضِ پاک'' خصوصی اہمیت کا حامل ہے جسے بے حد پذیرائی سے نوازا جا چکا ہے۔ اس نسبت سے سات سنگل ایڈیشن اور دو جامع ایڈیشن بھی منصۂ شہود پر آ چکے ہیں جن کی طباعت کا اہتمام میرے ادارے رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی نے کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے لیے ایک اعزاز ہے۔

اگر تاریخ ادبیاتِ عالم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کوئی بھی تلمیذِ ادب اپنے آموزگارِ ادب کی ادبی خدمات کے پس منظر میں اتنا تحقیقی و تنقیدی کام نہیں کر سکا جتنا شبیر ناقِدؔ نے ابوالبیان ظہور احمد فاتح کے حوالے سے کیا ہے۔ کتاب ہذا اس سلسلے کی پانچویں کڑی ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ شبیر ناقِدؔ کا اختصاصِ فن یہ ہے کہ وہ نئے موضوعات کو بڑے عمدہ طریقے سے مس کرنے کی سعیِ بلیغ کرتے ہیں۔ وہ فکر و فن کے بنے بنائے راستوں پر گامزن ہونے کے بجائے اپنی قوتِ اختراع سے کام لیتے ہیں اور اپنے لیے ایک الگ جادۂ منزل کا تعین کرتے ہیں۔ اس نسبت سے تصنیف ہذا کی مثال بھی دی جا سکتی ہے جس کی تبویب انہوں نے کچھ یوں کی ہے اور یہ ابواب بندی ان کی فنی چابک دستی کی بین دلیل ہے۔

باب اول: ابوالبیان ظہور احمد فاتح کا نظریۂ ادب برائے ادب

باب دوم: ابوالبیان ظہور احمد فاتح کا نظریہء ادب برائے زندگی

باب سوم: ابوالبیان ظہور احمد فاتح کے اخلاقی آدرش

باب چہارم: ابوالبیان ظہور احمد فاتح کی ترجیحاتِ فکروفن کا اجمالی جائزہ

ان تمام موضوعات کے تناظر میں انہوں نے نہ صرف سیر حاصل گفتگو کی ہے بلکہ ان حوالوں سے استشہادات واستخراجات بھی پیش کیے ہیں اور ان کے اندازِ بیاں میں استدلال کو فروغ حاصل ہے۔ شبیر ناقِدؔ کے تجزیاتی بیانیے میں کلاسیکیت اور جدیدیت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے جس میں معقولیت ومعروضیت اور منطقیت کے خصائص کارفرما ہیں۔ تصنیف ہذا ہر قسم کے تقریظی مضامین سے مبرا و ماورا ہے۔ گویا انہوں نے جتنا کام کیا ہے، وہ بڑے اعتماد کی فضا میں کیا ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے ہمہ جہت شاعر وادیب اور کتاب ہذا کے ناشر ناصر ملک کا پیرایہء اظہار کچھ یوں ہے، ملاحظہ کریں:

> ''زیرِ مطالعہ کتاب ''ابوالبیان ظہور احمد فاتح کی ترجیحاتِ فکروفن' اپنے عنوان کے مصداق شاعرِ ہفت زباں ظہور احمد فاتح کی فکری وفنی جہتوں، مہارتوں اور قدرتوں کے تحقیقی وتنقیدی احوال پر مشتمل ہے۔ شبیر ناقِدؔ بیسیوں شعری مجموعوں کے خالق ہیں۔ اردو اور سرائیکی زبانوں میں مافی الضمیر بیان کرنے پر قادر ہیں اور تنقید و تحقیق کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ انہوں نے ظہور احمد فاتح کی فکری و فنی ترجیحات کو جس شدو مد سے محسوس کیا، اپنے مخصوص اسلوب کے ساتھ قاری کے سامنے رکھ دیا۔ بلاشبہ ان کے موضوعات کا تنوع ان کی تصانیف کو معراجِ انفرادیت بخشتا ہے اور اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انہوں نے موضوع کے ساتھ انصاف برتتے ہوئے نتائج کو نہ صرف ایمانداری سے اخذ کیا ہے بلکہ شائستگی اور نفاست کے ساتھ اسے تاریخِ ادب کا حصہ بھی بنایا ہے۔''

امید ہے کہ کتاب ہذا شائقینِ تحقیق وتنقید کے لیے ایک سوغات ثابت ہوگی اور فردائی ادوار

میں نہ صرف اسے پڑھا جائے گا بلکہ بھرپور انداز میں سراہا بھی جائے گا۔ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت فزوں تر ہوتی رہے گی۔

(۳۱)

کتاب: بااہتمامِ جنوں

شاعر/مصنف: عشرت معین سیما

اشاعت: فروری 2023ء

صفحات: 240

قیمت: 900 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

ہر انسان کی اپنی مادرِ گیتی اور دیس بھاشا سے ایک فطری نوعیت کی جڑت ہوتی ہے۔ جس کی اہمیت سے مفر ممکن نہیں ہوتا۔ جو ناقابلِ فراموش اور سراہے جانے کا استحقاق رکھتی ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ان لوگوں کے حوالے سے بھی ہے جن کا خمیر اردو خطوں سے اٹھا۔ پھر انہوں نے اپنے وطنِ مالوف اور اپنی دیش بھاشا کو امر کرنے کی ٹھان لی۔ دیارِ غیر میں ایسی ہستیوں کا وجود کسی غنیمت سے کم نہیں۔ ایسی فرخندہ نصیب شخصیات میں عشرت معین سیما بھی شامل ہیں جو ایک طویل عرصے سے جرمنی میں مقیم ہیں مگر انہوں نے تاحال اپنی روایات واقدار سے اپنے رشتے کو نہ صرف مضبوط بنیادوں پر استوار کیا بلکہ اس کے فروغ کے لیے بھی شبانہ روز کاوشیں کیں۔ وہ ایک ماہرِ لسانیات ہیں۔ برلن لینگویج انسٹی ٹیوٹ جرمنی میں ہندی اور اردو کے حوالے سے تدریسی فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کی علمی وادبی مسافتوں میں لسانی تنقید کے علاوہ افسانہ نگاری اور شاعری شامل ہیں۔ وہ ایک مترجم اور کالم نگار بھی ہیں۔ ان کے دو افسانوی مجموعے ''گرداب

اور کنارے‘‘ اور’’ دیوارِ ہجر کے سائے‘‘ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے دو شعری مجموعے’’ جنگل میں قندیل‘‘ اور’’ آئینہ مشکل میں ہے‘‘ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر متعدد ایوارڈ وصول کر چکے ہیں۔

اس وقت عشرت معین سیما کا تیسرا مجموعہء کلام’’ با اہتمامِ جنوں‘‘ ہمارے زیرِ تبصرہ ہے۔ مجموعہء ہذا کا نام لسانی وفکری تناظر میں بہت سے خصائص کا حامل ہے مگر کتاب ہذا کے غالب تاثر کی نمائندگی کرنے سے قاصر ہے۔ یہ معاملہ بھی معمول کے مطابق ہے کیونکہ اکثر سخن وروں کے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس شعری مجموعہ کی طباعت کے جملہ امور انتہائی خوبصورتی سے نبھائے گئے ہیں۔ اس کا سرورق علامتی نوعیت کا حامل ہے جس میں جنوں کی رنگ آمیزی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے تاثرات نگاروں میں فراست رضوی، ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی، شاعر علی شاعرؔ اور افتخار عارف کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان کے اس مجموعہء کلام میں حمد و نعت اور منقبت کے جواہر بھی شامل ہیں۔ غزلیات کا تناسب زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں پابند نظم کے مختلف ہیئتی تجارب بھی ہیں، آزاد نظم بھی ہے اور فردیات وقطعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

عشرت معین سیما کا حمدیہ پیرائیہء اظہار فطری رچاؤ کا حامل ہے جس میں مظاہرِ فطرت کا استخدام بھی قرینہ کاری کا مظہر ہے۔ ان کا حمدیہ فکری کینوس وسعتوں کا حامل ہے۔ ان کی نعت نگاری بھی منطقی خصائص سے مالا مال ہے جن میں عجز وانکسار کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی غزل متنوع فکری تجربات سے عبارت ہے جن میں تگ وتازِ حیات اور سعیِ پیہم کا آدرش فوقیت رکھتا ہے۔

اگر رومانوی حوالے سے بات کی جائے تو ان کے ہاں ایک تموج کی فضا پائی جاتی ہے جو جاذبیت اور اپنائیت کی دولت سے مالا مال ہے۔ انہی اسباب وعلل کے باعث وہ نہ صرف اپنے قاری کے حواس کو مستعدر رکھنے میں کامیاب وکامران ہو جاتی ہیں بلکہ اسے اپنی فکر کے حصار میں مقید کر لیتی ہیں۔ یوں وہ قاری کے لیے ایک مسحور کن فضا تشکیل دیتی ہیں۔ اگرچہ ان کی شعری طبع حزنیہ نوعیت کی ہے، مگر ان کا بندِ ضبط مضبوط ومستحکم نوعیت کا حامل ہے۔

ان کے فکری کینوس میں تنقیدی رویے بھی آشکار ہوتے ہیں۔اس حوالے سے ان کا شعری اظہار جدتوں کا مظہر ہے۔ وہ شعر کے مختصر پیمانے میں متضاد ومتنوع موضوعات کو باندھنے کا بھی ملکہ رکھتی ہیں۔جس سے ایک خوبصورت گریز کی فضا ہموار ہوتی ہے جسے ان کی فکری نادرہ کاری سے عبارت کیا جاسکتا ہے۔ان کا اسلوب سادہ اورشفاف وشستہ ہےجس میں سہلِ ممتنع کے انداز کو وفور حاصل ہے۔ان کے ہاں جنوں خیزی کے امکانات تندرست وتوانا حیثیت رکھتے ہیں۔

ان کے ہاں ذہنی بیداری کے وسیع تر امکانات پائے جاتے ہیں جن میں شدتِ احساس اورزورِ بیاں کے تلازمات پائے جاتے ہیں ۔ان کے شعری بیانیے میں سماجیات کا عمیق شعور کارفرما ہے۔عصری بے حسی کے تناظر میں ان کا کلام ایک صدائے خارا شگاف کا درجہ رکھتا ہے۔ ترقی پسند فکر اور انسان دوستی کے شواہدان کے ہاں بھرپور انداز میں ملتے ہیں۔ان کے تشبیہاتی آفاق نکتہء اختصاص کے حامل ہیں جن میں ندرت کے رنگ نمایاں ہیں ۔

عشرت معین سیما کے مجموعہء شعر ''با اہتمامِ جنوں'' سے نمونہء کلام نذرِ قارئین ہے۔

فلک پہ ختم ہوئی محفلِ شبِ انجم
طیور اڑنے لگے حمد گنگناتے ہوئے
(ص:21)

وہ نورِ مجسم میں خاکِ پریشاں
مگر ان سے اک رابطہ دیکھتی ہوں
(ص:26)

اک گھر کیا آرزو میں ہم در بہ در رہے
صحرا کی خاک چھانی ، محوِ سفر رہے
(ص:45)

ہمارا ذکر ہے شامل محبت کی کتابوں میں
کہیں اشعار میں تم ہو کہانی میں کہیں پر ہم

(ص:48)

نیند لوٹ لیتے ہیں خواب پر بحالی ہے
دل میں بسنے والوں کی یہ ادا نرالی ہے

(ص:68)

محبت اپنی عادت ہو گئی تھی
یہ عادت اک ضرورت ہو گئی تھی

(ص:70)

ترے طریقِ محبت میں سنگ و آئینہ
بااہتمامِ جنوں کیوں نہ معتبر رہتے

(ص:73)

اس نے جب قصر کی زنجیر ہلائی ہوگی
حکمراں تجھ کو ذرا شرم تو آئی ہو گی

(ص:87)

بیٹی کی رخصتی پہ جھکا سر جو باپ کا
قدموں پہ گر کے رہ گئی دستار سامنے

(ص:89)

ہٹا کے اس کو وہ اپنا چہرہ تو دیکھ پائے
جو گرد برسوں سے آئینے پر جمی ہوئی تھی

(ص:92)

خونِ ناحق بول رہا ہے سڑکوں پر
خنجر ہی بس قاتل کی پہچان نہیں

(ص:94)

اداسی فضاؤں میں پھیلی ہے ایسی
پرندوں کا جیسے شجر چھوڑ دینا

(ص:99)

تحقیقی وتنقیدی حوالے سے ہر فن پارے کی نسبت سے کچھ نہ کچھ کہنے کی گنجائش ضرور رہ جاتی ہے۔ بعینہٖ معاملہ عشرت معین سیما کے شعری مجموعہ ''با اہتمامِ جنوں'' کا بھی ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں فکری وفنی پختگی کے مظاہر ضرور ملتے ہیں مگر شاعری کے بنیادی مسائل بھی آشکار ہوتے ہیں۔ اگر خلوص، لگن او رریاضت کے عناصرِ ثلاثہ پر کاربند رہیں تو معاصر شاعرات میں نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب وکامران ہو جائیں گی۔

(۳۲)

کتاب:	فاصلوں سے ماورا
شاعرہ:	فاطمہ حسن
رابطہ فون:	0333-2109250
اشاعت:	2023ء
صفحات:	140
قیمت:	800 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

جہانِ شعروادب میں فاطمہ حسن کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ ان کا شمار پاکستان کی سینئر اور معروف اردو شاعرات میں ہوتا ہے۔ وہ ایک عرصہ طویل سے خدماتِ علم وادب میں مصروف ومنہمک ہیں۔ ان کی منظوم ومنثور خامہ فرسائیوں کی مسافت بسیط وعریض ہے۔ ان کے ہاں معیار

ومقدار کے تلازمات کسی نہ کسی حد تک پائے جاتے ہیں۔ ان کا اولین مجموعہ شعر ''بہتے ہوئے پھول'' 1977ء میں منصۂ شہود پر آیا تھا۔ ان کا دوسرا مجموعہ کلام ''دستک سے در کا فاصلہ'' 1993ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا جبکہ ان کا تیسرا شعری مجموعہ ''یادیں بھی اب خواب ہوئیں'' 2004ء میں منظرِ عام پر آیا۔ ان کی چوتھی شاعری کی کتاب ''فاصلوں سے ماورا'' 2019ء میں شائع ہوئی۔ کتاب ہذا کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے اب تک تین ایڈیشن بالترتیب 2019ء، 2022ء اور 2023ء میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کا دوسرا مگر انحرافی پہلو یہ بھی ہے کہ اب شاعرہ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا۔ افسانوں کا مجموعہ ''کہانیاں گم ہو جاتی ہیں'' 2000ء میں نذرِ قارئین ہوا اور اس کی اضافہ شدہ اشاعت بھی بعد میں سامنے آئی۔ معاصرین پر مطالعاتی مضامین کا مجموعہ ''کتابِ دوستاں'' 2011ء میں شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن 2023ء میں چھپا۔ اردو رسائل میں شائع ہونے والی اولیں اہم شاعرہ زاہدہ خاتون شروانیہ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ 2007ء میں شائع ہوا۔

ان کی منثور تالیفات وتصنیفات میں نسائی تنقید و ادب پر تین کتابیں ''خاموشی کی آواز'' 2004ء میں، ''فیمنزم اور ہم'' 2005ء میں، ''بلوچستان کا ادب اور خواتین'' 2006ء میں شائع ہوئیں۔ اقبالیات پر مرتب کردہ کتاب ''مطالعہ اقبال کی جہتیں'' اور غالبیات پر مرتبہ کردہ کتاب ''مطالعہ غالب کی جہتیں'' بالترتیب 2018ء اور 2019ء میں شائع ہوئیں۔ شیخ ایاز کے اردو ترجمہ کردہ ''شاہ جو رسالو'' جو شاہ عبداللطیف بھٹائی کا سندھی کلام ہے، محکمہ ثقافت سندھ کے لیے 2009ء میں اسی کتاب سے ایک انتخاب کی ادارت نیشنل بک فاؤنڈیشن کے لیے 2015ء میں کی۔ محکمہ ثقافت سندھ کے لیے شیخ ایاز کی نثری نظموں کے اردو تراجموں پر مشتمل دو کتابوں پر نظر ثانی کر کے مرتب کیا جو 2010ء میں 'اے آہوئے چشم کدھر' اور 'ساحل پہ تلاطم' کے عنوان سے شائع ہوئیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی 'ورثہ سیریز' کے لیے شعرا منیر نیازی، ادا جعفری، زاہدہ خاتون شروانیہ، پروین شاکر اور جمیل الدین عالی کی شاعری کا انتخاب کیا۔

فاطمہ حسن کا زیرِ تبصرہ شعری مجموعہ ''فاصلوں سے ماورا'' بہت سی فکری وفنی خصوصیات کا

حامل ہے۔ مجموعہ ہذا کا نام فکری ترفع کا غماز ہے اور کسی نہ کسی حد تک اس مجموعہ کلام کے غالب تاثر کا ترجمان بھی ہے۔ اس مجموعہء شعر کے تاثرات نگاروں میں ڈاکٹر ستیہ پال انند، انور شعور اور ڈاکٹر نجیبہ عارف کے اسمائے گرامی شامل ہیں جنہوں نے اپنی پر مغز آراء کی بدولت فاطمہ حسن کے کسی نہ کسی فکری و فنی پہلو کو نمایاں کرنے کی سعیِ مشکور کی ہے۔ یہ کتاب بلحاظِ فکر و فن متنوع خصوصیات خود میں سموئے ہوئے ہے جس میں مختلف ہیئتی تجارب بھی ہیں۔ اس کتابِ شعر میں حمد بھی ہے اور غزلیات بھی ہیں۔ پابند نظم کی مختلف ہیئتیں بھی ہیں اور آزاد نظم بھیہے۔ مزید برآں اس میں نظمِ منثور کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ تعجب آمیز امر یہ ہے کہ ان کے ہاں نثری نظموں کی نمو ایک افسوس ناک بات ہے جس کی اتنی معروف شاعری سے امید نہیں کی جا سکتی۔ اگر سخت تنقیدی تناظر میں دیکھا جائے تو نثری نظم کا مستقبل وہی ہے جو انسانوں میں تیسری مخلوق کا ہے جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ تا حال نثری نظم اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں بری طرح ناکام و نامراد ہو چکی ہے مگر پھر بھی کچھ یارانِ جہاں اس کا فروغ چاہتے ہیں۔ شاید ان کا مقصود و منتہیٰ شاعر و غیر شاعر کے درمیان امتیاز ختم کرنا ہو۔ اس امر کا فیصلہ جمہور قارئین و محققین اور ناقدین کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ ان کی نثری نظموں کو فنی طور پر تن آسانی کا نام دیں یا اسے روایت سے بغاوت یا جدت سے تعبیر کریں۔ بہر حال ان کی نظمِ منثور نے ان کے فنی حوالے سے فزوں تر استفہامیہ اشارات ضرور پیدا کر دیے ہیں جنہیں نا قابلِ فراموش حیثیت حاصل ہے۔

فاطمہ حسن کے اس شعری مجموعے میں حمد و نعت کے پہلو بہ پہلو مناقب کا سلسلہ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کی غزل کا فکری کینوس بسیط و عریض ہے۔ کہیں کہیں ان کے ہاں رومانویت اور تجسیم و تجدید کی نفی محسوس ہوتی ہے۔ ان کے ہاں وہ رومانویت نہیں ہے جو خالصتاً دبستانِ لکھنو کی پیداوار ہے بلکہ ان کے ہاں استخدامِ حکمت و دانش کارفرما ہے۔ جس سے ان کے معجزۂ فکر کو تقویب ملتی ہے۔ سماج اور قارئین سے ملنے والا خراجِ تحسین ان کے ہاں شاعرانہ تعلیٰ کی صورت نمو پذیر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ان کے ہاں عاجزی و انکساری کے تلازمات نمایاں ہیں۔ وہ اپنے آپ کو صرف انسان سمجھتی ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ انہیں اسی معیار پر جانچا اور پرکھا جائے۔

فاطمہ حسن کی شعریات میں مظاہرِ فطرت کا استعمال بھی ان کے فطری رچاؤ کا بین ثبوت ہے جن کے باعث ان کے ہاں جمالیاتی احساسات کے شواہد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔انہیں اپنی دھرتی ماتا سے بے پناہ محبت ہے۔ دیش بھگتی ان کی سرشت میں ہے۔امن اور انسان دوستی ان کے شعری بیانیے کا واضح آدرش ہے۔ان کے ہاں نظریہء ادب برائے زندگی کے فزوں تر امکانات موجود ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہیں زندگی سے بے حد پیار ہے۔اس لیے وہ مصائب و آلام سے گریزاں ہیں۔ کیونکہ یہ انسان کو کوچہء مرگ تک لے جاتے ہیں۔ان کی شاعری میں معرفت اور تصوف کی عمدہ آمیزش پائی جاتی ہے جس کے باعث ان کی فکر کا فلسفیانہ اور نفسیاتی وحسیاتی گراف بلند ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ان کا شعری بیانیہ بسا اوقات اسلوبیاتی اعتبار سے سہلِ ممتنع کے رنگ کا حامل ہوجاتا ہے۔ان کے ہاں خواجہ میر درد جیسا سوز و گداز ہے جو عشقِ حقیقی کی شمعیں روشن رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ان کے ہاں عصری آشوب کی تلخی کو بڑی شدت سے محسوس کیا جاسکتا ہے جس کے باعث ان کے ہاں تنقیدی رویے بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان کی افتادِ طبع حزنیہ رنگ اختیار کرجاتی ہے۔بہرحال وہ اپنے آپ کو ایک محبِ وطن خیال کرتی ہیں جس پر وہ فاخر و نازاں بھی نظر آتی ہیں۔

فاطمہ حسن کے شعری مجموعہ ''فاصلوں سے ماورا'' سے غزلیات کے منتخب اشعار بطور نمونہء کلام نذرِ قارئین ہیں۔

آنکھوں میں نہ زلفوں میں نہ رخسار میں دیکھیں
مجھ کو مری دانش، مرے افکار میں دیکھیں

سو رنگ مضامین ہیں جب لکھنے پہ آؤں
گل دستہء معنی مرے اشعار میں دیکھیں

پوری نہ ادھوری ہوں نہ کم تر ہوں نہ برتر
انسان ہوں انسان کے معیار میں دیکھیں

(ص:81)

جس کے آنگن کو سجایا خواب سے اور پھول سے
خوشبوؤں کی راہ میں کھلتا وہ در میرا ہی تھا
ان کا کیا ہے جو جنونِ جنگ میں ہیں مبتلا
جل نہ جائے پھر کہیں دھرتی یہ ڈر میرا ہی تھا
گود میں میری جنم لیتی رہی ہے زندگی
زندگی کو زندگی کرنا ہنر میرا ہی تھا
(ص:83)

دم توڑتی تہذیب ہے اور باتیں ہی باتیں
اے چارہ گرو آپ کی تقریر میں کیا ہے ؟
(ص:85)

بہت ہی بوجھ ہے دل پر سنبھالا اب نہیں جاتا
مجھے آہستہ چلنے دو، ذرا سا فاصلہ کر دو
مقامِ عشق کی منزل ذرا آسان ہو جائے
گماں لے کر یقیں دے دو اسے میرا خدا کر دو
(ص:86)

یہ جو مجھ کو اس کا خیال ہے
یہ اسی کا کوئی کمال ہے
(ص:97)

نہ دھوپ پوری، نہ سایہ، نہ راستے ہموار
یہ شہر کب ہے مکانوں کا ایک جنگل ہے
(ص:101)

اب کیا دوا علاج، مسیحائی کس لیے

وحشت بڑھی ہے اتنی کہ دل چاک ہو گئے
(ص:105)

زمین اپنی ہے اور آسمان اپنا ہے
وطن کے ہونے سے نام و نشان اپنا ہے
(ص:110)

امید ہے کہ فاطمہ حسن کا یہ شعری مجموعہ ہر ذہنی سطح کے قاری کے لیے اکتسابِ فیض کا ساماں ثابت ہوگا اور ان کے ازلی مقام و مرتبے کو مزید جلا بخشے گا۔

(۳۳)

کتاب:	ایک ہی منزل (افسانوی مجموعہ)
افسانہ نگار:	ناصر بغدادی
اشاعت:	جون 2023ء
صفحات:	208
قیمت:	800 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

بہت سی اصنافِ ادب بسلسلہءِ خدمتِ ادب مصروف کار ہیں جو اپنی اپنی ارتقائی منازل طے کر رہی ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بات کا تعین کیا جائے کہ کون سی صنفِ ادب معاصر زندگی کی صحیح معنوں میں تصویر کشی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر اصنافِ سخن کے حوالے سے بات کی جائے تو فنی اور ہیئتی مقتضیات اظہاریے میں حائل ہو جاتی ہیں جن کے منطقی ردِ عمل کے طور پر افراط و تفریط کی فضا پیدا ہونے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ یوں مدعا نگاری کا حقیقی ہنر احتمالات کی

نذر ہو جاتا ہے۔ اگر اصنافِ نثر کی نسبت سے بات کی جائے تو ان کی ضخامتی مغائرت کی بدولت عدم مقصدیت، لایعنیت اور تشنگی کا احساس رونما ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ناصر بغدادی بڑے فرخندہ نصیب واقع ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے افسانہ جیسی صنفِ ادب کا انتخاب کیا ہے جو زندگی کی اس حقیقی ترجمانی سے مربوط ہے جس میں تصنعات و تکلفات کا گزر نہیں ہے بلکہ زیست کی بعینہٖ ترجمانی سے عبارت ہے۔

وہ ایک عرصہء دراز سے افسانہ نگاری کی ریاضت میں مصروف و منہمک ہیں اور ایک ارتقائی انداز میں جادۂ منزل پر رواں دواں ہیں۔ ابھی تک ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس حوالے سے مزید بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

ان کی نسبت سے تا حال لکھنے والوں کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

قمر جمیل، ڈاکٹر وزیر آغا، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، احمد ہمیش، حمید الماس، سیدہ مظہر جمیل، ڈاکٹر فہیم اعظمی، شہزاد منظر، ف س اعجاز، اوم ہیوش، ڈاکٹر شفیق انجم، عشرت رومانی، ڈاکٹر یونس حسن، ڈاکٹر سیفی سرونجی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر یوسف سرمست، ڈاکٹر محمد علی صدیقی اور اقبال متین وغیرہ۔ تمام اصحابِ فکر و نظر نے ناصر بغدادی کی افسانہ نگاری کے کسی نہ کسی فکری و فنی پہلو کو آشکار کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے۔

ناصر بغدادی کے زیرِ تبصرہ افسانوی مجموعے ''ایک ہی منزل'' میں درج ذیل افسانے شامل ہیں۔

1۔ ممی، بے بی اور بوائے فرینڈ	2۔ ایک قطرہ شبنم کا
3۔ ایک ہی منزل	4۔ سوکھے گلاب
5۔ منافق	6۔ واپسی کا راستہ
7۔ انحراف	8۔ مسکراہٹ
9۔ پھولوں کے زخم	10۔ سرخ روشنی کے گھاؤ

11۔ چاند کا تھوکا	12۔ بیساکھی
15۔ کالک	16۔ انگور کا ذائقہ

ناصر بغدادی کا افسانہ حقیقت پسندی کا آئینہ دار ہے اور ایسی حقیقت پسندی جس میں تہذیبی وضع داری اور رکھ رکھاؤ کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ان کے اس طرزِ عمل سے نہ راز داری مفقود ہوتی ہے اور نہ ان کا افسانوی اظہار یہ پردۂ اخفا میں جاتا ہے۔یعنی ان کے ہاں احتیاط پسندی کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔یوں ان کا افسانہ فطری رچاؤ کی ردا اوڑھ لیتا ہے۔جہاں تصنع اور بناوٹ کا کوئی گزر نہیں ہے،ان کا اسلوب ہر ذہنی سطح کے قاری کے لیے قریں تر ہے۔یوں ان کے افسانے میں اکتسابِ فیض کے وسیع تر امکانات پائے جاتے ہیں۔وہ افسانے کے ٹیمپو کو ایک فطری انداز میں لے کر آگے چلتے ہیں۔ان کے ہاں مبالغہ آرائی مفقود ہے۔ان کے ہاں مخیلاتِ کاذبہ کی بجائے مخیلاتِ صادقہ کا فروغ ملتا ہے۔وہ اپنے افسانے کے فکری گراف میں غیر ضروری شدت کا اہتمام نہیں کرتے۔ان کے افسانے کا پلاٹ متوازن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے جس میں نہ حد سے زیادہ چستی ہوتی ہے اور نہ کہیں حد سے بڑھ کر سستی ہوتی ہے۔وہ اپنے افسانے کے موضوعات اپنے سماج سے لیتے ہیں۔معاشرے میں ہمارے اردگرد جو کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان سے ہی ناصر بغدادی کے افسانوی موضوعات کی نمو ہوتی ہے۔ان کے افسانے کا وصفِ خاص یہ ہے کہ اس میں غیر حقیقی اور غیر منطقی نوعیت کی مثالیت اور آفاقیت ہرگز نہیں ہے۔ان کے افسانوں میں وہ تجریدی مناظر ہیں جو ہمارے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں۔وہ ہمیں کسی مافوق الفطرت دنیا کی سیر نہیں کراتا بلکہ اسی معاشرے میں لے جاتا ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ان کے افسانوی مقاصد ان کے قاری پر غیر محسوس انداز میں اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ان کے ہاں لایعنی ترقی پسندی اور عدم مقصدیت آمیز انشان دوستی ہرگز نہیں ہے۔یہی ان کی افسانہ نگاری کے فن کا نکتہء اختصاص ہے۔ان کے ہاں عمومیت و اختصاصیت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ان کے افسانوی کردار اگرچہ تہذیب یافتہ ہیں،لیکن وہ عام انسانوں کے لیے کام کرتے ہیں۔یوں ان کے افسانوں سے ایک مفلوک الحال طبقے کی حمایت کا آدرش ملتا ہے۔یوں

ان کا افسانہ انتہائی فطری انداز میں اپنے ارتقا کے زینے طے کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اگر فنِ افسانہ نگاری میں ان کی کشیدِ جاں کا عمل روبہ تسلسل رہا تو وہ معاصر افسانہ نگاروں میں ایک معتبر حوالے کا استحقاق پائیں گے لیکن اصولِ ثلاثہ خلوص، لگن اور ریاضت پر عمل کرنا شرطِ اول ہوگی۔

(۳۴)

کتاب:	میری آواز (کالموں کا مجموعہ)
کالم نگار:	غلام نبی عامر
اشاعت:	2023ء
صفحات:	232
قیمت:	1000 روپے
ناشر:	ہارون پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0332-2243868

خدائے بزرگ و برتر نے ہر انسان کو مختلف خصوصیات سے نوازا ہے۔ گویا تنوع کو حمایت و تائیدِ ایزدی حاصل ہے مگر اس نے اپنی محبوب شخصیات کو کچھ زیادہ اوصاف سے نوازا ہے۔ اسی طرح موضوعاتی حوالے سے غلام نبی عامر بھی ایک کثیر الجہات شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنے کالموں کے مجموعے ''میری آواز'' میں مختلف شعبہ جات قائم کیے ہیں جنہیں کتابِ ہذا کی انتظامی تقسیم سے عبارت کیا جا سکتا ہے جن سے ان کا وسیع الموضوعات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کے یہ کالم خود میں مضامین کی خصوصیات بھی رکھتے ہیں۔ یعنی ان کے اس کالموں کے مجموعے میں دو نثری اصنافِ ادب یعنی کالم اور مضامین کا اجتماع ممکن ہوتا ہوا نظر آتا ہے جسے ان کی کہنہ مشقی اور بسیار نویسی کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

''میری آواز'' از غلام نبی عامر میں شامل تاثرات نگاروں کے اسماء حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ڈاکٹر محمود عالم جہانگیری　　　2۔عبدالقادر شیخ

3۔مختار اجمیری　　　4۔زاہد شیخ

5۔مجیب بھٹو　　　6۔جاوید پارس

کتاب ہذا کا پیش لفظ غلام نبی عامر سے مرقوم ہے۔اس کتاب میں انہوں نے درج ذیل شعبہ جات قائم کیے ہیں جسے اس کالموں کے مجموعے کی انتظامی تقسیم سے عبارت کیا جا سکتا ہے۔

حصہ اول:　مذہبی مضامین

حصہ دوم:　شخصیات

(الف)　مذہبی شخصیات

(ب)　قومی شخصیات

(ج)　ادبی شخصیات

(د)　سیاسی شخصیات

حصہ سوم:　سیاستِ دوراں

حصہ چہارم:　قومی ایام

حصہ پنجم:　دیگر مضامین (متفرقات)

کتاب کے آخر میں مصنف کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے۔

کتابِ ہذا کے تاثرات نگاروں نے حتی المقدور اپنی علمی و ادبی اور لسانی بساط کے مطابق غلام نبی عامر کے فکری و فنی افق کو آشکار کرنے کی سعیِ مندوب کی ہے۔اس حوالے سے وہ کسی نہ کسی حد تک کامیاب و کامران ہوتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

غلام نبی عامر نے ''میری آواز'' کے ذریعے مذہبی و ملی ،قومی و ادبی اور سیاسی تناظرات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جہاں انہوں نے قومی سیاسی منظر کو سامنے رکھا، وہاں انہوں نے عالمی سیاست اور عالمی مسائل سے بھی چشم پوشی نہیں کی۔ یہ کتاب بہت سے مذہبی و ملی ،علمی و ادبی اور سیاسی انکشافات کا ایک مخزنِ گراں بہا ہے۔کالم،مضامین نیز مذہب و ملت،قومی سیاست،ادب

اور عالمی تناظرات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کسی سوغات سے کم نہیں ۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے جسے فردائی ادوار میں نہ صرف پڑھا جائے گا بلکہ بھرپور انداز میں سراہا بھی جائے گا۔ اگر غلام نبی عامر کی کشیدِ جاں کا عمل روبہ تسلسل رہا تو وہ ایک بھرپور حوالے کا استحقاق پائیں گے ۔

(۳۵)

کتاب:	نئی زندگی (ناول)
ناول نگار:	شاعر علی شاعرؔ
اشاعت:	2023ء
صفحات:	152
قیمت:	1200 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

دنیائے ادب میں شاعر علی شاعرؔ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ایک ایسی شخصیت ہیں جو اپنی ذات میں ایک سیال ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ادبی خامہ فرسائیوں کی داستاں بہت طویل ہے جسے رقم کرنے کے لیے دفتروں کے دفتر درکار ہیں۔ ایک مختصر تبصرے کے پیمانے میں جن کا احاطہ اور تعین نہ صرف کارِ دشوار ہے، بلکہ ناممکن بھی ہے، اس لیے ہم قارئین کی نفاستِ طبع کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے طولِ بیاں سے راہِ گریز اختیار کر رہے ہیں۔

زیرِ تبصرہ ناول ''نئی زندگی'' ایک نومسلم عورت کا سفرِ پاکستان کی کہانی پر مشتمل ہے جو ناروے جیسے یورپی ملک میں اسلام قبول کرتی ہے اور شعائرِ اسلامی پر دل و جان سے عمل کرتی ہے۔ ایک پاکستانی سے رشتہء ازدواج میں بندھ جاتی ہے۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ تصور کرتی ہے کیونکہ اس کا قیام خالص اسلامی نظریاتی بنیادوں پر ہوا تھا۔ اس لیے اس کے دل میں پاکستان

جانے کا اشتیاق شدت اختیار کر جاتا ہے مگر جب وہ پاکستان آتی ہے تو بہت سے غیر اسلامی معاملات دیکھ کر اس کی عقل دنگ ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا تصورِ پاکستان غلط ثابت ہوا تھا۔

اس ناول کے تاثرات نگاروں میں پروفیسر یونس حسن اور طوبیٰ ندیم شامل ہیں۔ شاعر علی شاعرؔ کی اس ناول کے حوالے سے مختصر رائے حسب ذیل ہے:

''تمام کاموں میں وہ قادرِ مطلق میری ہر قدم، ہر لمحہ اور ہر جگہ مدد کر رہا ہے۔ اسی کے دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے ایک خیال میرے ذہن میں آیا تھا جسے میں نے ناول ''نئی زندگی'' کا روپ دے دیا ہے۔ اس ناول میں اسلام کی حقانیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے اور اسلام سے دور رہنے والوں کے انجام پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔''

(ص:5)

شاعر علی شاعرؔ کی ناول نگاری کے حوالے سے پروفیسر یونس حسن کے تاثرات نذرِ قارئین ہیں۔

''ناول کی صنف میں شاعر علی شاعرؔ کی فکری گہرائی، ان کی ندرت اور جدت، ان کی تخلیقی اپچ، ان کے موضوعات کا تنوع، ان کا طرزِ نگارش، ان کی زبان اور اسلوب کی شگفتگی، ان کی حقائق نگاری، ان کی واقعات نگاری، ان کے ناولوں کو ایک نئی جہت عطا کرتے رہیں گے۔''

(ص:15-16)

ناول مذکور کے تناظر میں ناول ''واپسی'' کی ناول نگار طوبیٰ ندیم کے تاثرات پڑھیں:

''شاعر علی شاعرؔ نے بہت خوبصورتی اور آسانی سے پاکستانی مسلمانوں کے ان مسائل کو بیان کیا ہے جن کو درست کرنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ خامیوں کو کہانی کے سانچے میں ڈھال کر مسلمانوں کی تنزلی کی وجوہات کی طرف توجہ دلانے کی جو کوشش کی گئی ہے، وہ واقعی ہی قابلِ تعریف ہے۔''

(پس سرورق)

ہمارے خیال میں شاعر علی شاعرؔ کا یہ ناول ''نئی زندگی'' تہذیبی وضع داری ، رکھ رکھاؤ اور شعائرِ اسلام کے احیا کی شعوری کوشش کا نام ہے جس میں وہ مکمل طور پر کامیاب و کامران ٹھہرے ہیں۔ ان کے اس ناول نے ایک بار پھر ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''مراۃ العروس'' کی یاد تازہ کر دی ہے۔ یہ ایک اصلاحی ناول ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے والدین کو یہ ناول ان کے جہیز میں دینا چاہیے۔ شاعر علی شاعرؔ نے منشی پریم چند اور ڈپٹی نذیر احمد کے مشن کو آگے بڑھایا ہے۔ نسائی حوالے سے بھی یہ ناول خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول میں عصری متقضیات کا پورا پورا التزام کیا گیا ہے۔

اس ناول کی قرأت سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ شاعر علی شاعر نسائی نفسیات کا عمیق ادراک رکھتے ہیں۔ انہیں نسائی مکالمہ نگاری میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ ان کا ناول ''نئی زندگی'' نظریہء ادب برائے زندگی کا نہ صرف علمبردار ہے بلکہ مشعل بردار بھی ہے اور ان کی ناول نگاری کے ارتقا کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔ معقولیت و منطقیت اور مثالیت و آفاقیت کا مظہر بھی ہے۔ الغرض یہ ناول اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اگر اس کے تناظر میں پوری کتاب بھی لکھ دی جائے تو پھر بھی اس کا حق کماحقہٗ ادا ہونا ممکن نہیں ہے۔

(۳۶)

کتاب:	کلیاتِ شبیر ناقِدؔ (حصہ اول) اردو
شاعر/مصنف:	شبیر ناقِدؔ
مبصر:	شاعر علی شاعرؔ
رابطہ فون:	0333-5066967 0303-9297131
اشاعت:	جولائی 2023ء
صفحات:	1188

قیمت: 5000روپے

ناشر: اردوسخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)

رابطہ: 0302-7844094

شبیر ناقدؔ جہانِ شعروادب کی ایک نابغہء روزگار شخصیت ہیں۔ ان کی منظوم و منثور خامہ فرسائیوں کی داستاں بہت طویل ہے۔ ان کے اب تک اکیس مجموعہ ہائے کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں جن میں تین سرائیکی زبان کے شعری مجموعے ہیں اور ایک بچوں کی نظموں کا مجموعہ بعنوان ''ضیافتِ اطفال'' ہے۔ جو کلیاتِ ہذا میں شامل نہیں ہے۔ مزید برآن ان کی تیئس تحقیقی وتنقیدی تصانیف منصہ شہود پر آ چکی ہیں۔ جن میں ''شاعراتِ ارضِ پاک'' کے سات سنگل ایڈیشن، دو جامع ایڈیشن اور ایک تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ''نقدِ فن'' خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جن کی طباعت کا اعزاز میرے ادارے ''رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی'' کو حاصل ہے۔ اس امر سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ہمہ وقت شاعر و ادیب اور محقق و ناقد ہیں۔

کلیاتِ ہذا میں ان کے درج ذیل مجموعہ ہائے شعر شامل ہیں۔

۱۔صلیبِ شعور (غزلیات ونظمیات)	۲۰۰۷ء
۲۔آہنگِ خاطر (غزلیات ونظمیات، گیت،قطعات)	۲۰۱۱ء
۳۔جادہ فکر (غزلیات ونظمیات)	۲۰۱۴ء
۴۔صبحِ کاوش (غزلیات،نظمیات)	۲۰۱۵ء
۵۔دل سے دور نہیں ہو تم (غزلیات ونظمیات)	۲۰۱۶ء
٦۔کتابِ وفا (مجموعہ غزل)	۲۰۱۶ء
۷۔گنجِ آگہی (مجموعہء غزل)	۲۰۱۶ء
۸۔جہانِ عقل وجنوں (اردو شاعری)	۲۰۱۷ء
۹۔زادِ سخن (اردو شاعری)	۲۰۱۷ء
۱۰۔حسنِ خیال (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء

۱۱۔رتجگوں کا سفر (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء
۱۲۔طرزِ بیاں (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء
۱۳۔عکاسِ احساس (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء
۱۴۔نقدِ فکر ونظر (غزل ونظم)	۲۰۱۹ء
۱۵۔ریاضِ دانش (مجموعۂ غزل)	۲۰۱۹ء
۱۶۔شہرِ سخن (مجموعۂ کلام)	۲۰۱۹ء
۱۷۔نوائے شوق (مجموعۂ کلام)	۲۰۲۱ء

اگر شبیر ناقدؔ کے مجموعہ ہائے کلام کو زمانی وطباعتی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ تعین بہ حسن و خوبی ہو جاتا ہے کہ ان کا تخلیقی ارتقا کس قدر سرعت سے ارتقا پذیر ہوا ہے جس سے ان کی زود گوئی اظہر من الشّمس ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک کلیات ہذا کا شمار بھرپور اور زرخیز کلیات میں ہوتا ہے۔ سترہ شعری مجموعوں کا اجتماع شبیر ناقِدؔ کی قادر الکلامی اور کہنہ مشقی کی مبینہ دلیل ہے۔

اس کلیات کے تاثرات نگاروں میں سہیل ثاقب، عزیز بلگامی، عبدالغفور کشفی، افضل خان اور ناصر ملک کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ کلیات ہذا کی فکری وفنی قدر و قیمت جاننے کے لیے تاثرات نگاروں کے تاثرات کی جانکاری انتہائی ناگزیر ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

''شبیر ناقِدؔ کی سترہ اردو شعری کتابوں پر مشتمل زیرِ مطالعہ کتاب ''کلیاتِ شبیر ناقِدؔ'' (جلد اول) جہاں ان کی زود گوئی کی خبر دیتی ہے، وہاں اس خوشی کی نوید کی حامل بھی ہے کہ ان کا تخلیقی سلسلہ ابھی رکا نہیں اور وہ اپنے قارئین کی محبت بھری بزم میں وفورِ تخلیق کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ دعا ہے کہ ان کی یہ فقید المثال کتاب ادبی دنیا میں اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ثابت ہو گی۔''

(فلیپ، سہیل ثاقب، سعودی عرب)

''متن اگر بھرپور اور جاندار ہو تو کتاب کی ضخامت کبھی بھی گراں بار ثابت نہیں ہوتی بلکہ اختتامی صفحہ ایک تشنگی چھوڑ جاتا ہے۔ یہی احساس شبیر ناقِدؔ کی ضخیم کلیات کا مطالعہ

ختم ہونے پر اپنی بھرپور طاقت کے ساتھ ہویدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے نتیجے میں بلاشبہ شاعر و نقاد شبیر ناقِدؔ نہ صرف بہت زود گو شاعر ہیں بلکہ سماج اور انسانی جذبات کے حقیقی ترجمان بھی ثابت ہوئے ہیں۔"

(فلیپ، عزیز بلگامی، بنگلور انڈیا)

"زیرِ مطالعہ "کلیاتِ شبیر ناقِدؔ" اپنے اندر نہ صرف بہت وسعت رکھتی ہے بلکہ مفاہیم کا ایک ایسا جہان قاری پر کھولتی ہے کہ وہ تادیر اس کے سحر میں گرفتار رہتا ہے۔ کلیات کی روایت اس لحاظ سے بہت اچھی ہے کہ ایک جلد میں کئی کتابوں کا مطالعہ میسر آ جاتا ہے اور شاعر کے تخلیقی وفور سے قاری بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ زورِ قلم اور زیادہ ہو۔"

(فلیپ، عبدالغفور کشفی، مانچسٹر انگلینڈ)

"اس فقید المثال ضخیم کلیات میں شبیر ناقِدؔ کی سترہ تخلیقات بہ عنوانات صلیبِ شعور، آہنگِ خاطر، جادۂ فکر، دل سے دور نہیں ہو تم، صبحِ کاوش، کتابِ وفا، گنجِ آگہی، نوائے شوق، شہرِ سخن، جہانِ عقل وجنوں، رت جگوں کا سفر، زادِ سخن، حسنِ خیال، طرزِ بیاں، عکاسِ احساس، نقدِ فکر و نظر اور ریاضِ دانش شامل ہیں۔ کسی بھی شاعر کو معتبر وممتاز کرنے کے لیے معیاری تخلیقات کی اتنی مقدار کافی ہوتی ہے لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ شبیر ناقِدؔ ابھی اپنے مخصوص آہنگ اور اسلوب میں جہانِ تخلیق آباد رکھے ہوئے ہیں۔ بہت سی دعائیں ان کے لیے۔"

(فلیپ، افضل خان، بہاولپور)

"شبیر ناقِدؔ کا تعلق پنجاب کی دورافتادہ تحصیل تونسہ شریف کے گاؤں ہیر وشرقی سے ہے۔ وہ زود گو شاعر اور بسیار نویس تنقید نگار ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب سے بھی وابستہ ہیں۔ ابوالبیان ظہور احمد فاتح کے دبستان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے خاص شاگرد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے اردو زبان کے سترہ شعری

مجموعوں کی تخلیق کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان میں بھی تین شعری مجموعے تخلیق کیے، بچوں کے لیے اردو نظموں کی ایک کتاب بھی ان کے زادِ سفر میں شامل ہیں ۔ مجموعی طور پر ان کی بیالیس تصانیف منصۂ شہود پر آ چکی ہیں اور کئی منتظرِ طباعت ہیں ۔ بہت زیادہ اور بہت اچھا لکھنے والوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ ان کا تخلیقی سفر اسی شان و شوکت کے ساتھ جاری و ساری رہے۔''

(فلیپ ،ناصر ملک،اردو سخن پاکستان)

شبیر ناقِدؔ نے اپنی شعریات میں حمد و نعت کی شاندار روایت کو بھی برقرار رکھا ہے۔ نظمیاتی حوالوں سے انہوں نے کلاسیکی، نیو کلاسیکی اور معاصر ہیئتوں پر کام کیا ہے۔ اگر عروضی اعتبار سے بات کی جائے تو انہوں نے سہل و دشوار ہر نوع کی بحور و اوزان جن میں مفرد، محذوف اور مرکب بحور شامل ہیں، یکساں سہولت کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ ہر نوع کے قوافی اور ردیفوں کے استخدام کو اپنی سخن سنجی کا حصہ بنایا ہے۔

اگر موضوعاتی حوالے سے بات کی جائے تو شبیر ناقِدؔ کے بیانیہ کینوس میں متنوع جہات موجود ہیں ۔ ان کا پندارِ انا مضبوط و مستحکم نوعیت کا ہے۔ ان کے ہاں تنقیدی رویے استفہامیہ اشارات کی ردا اوڑھے ہوئے ہیں۔ جن کے باعث ان کے ہاں شدتِ احساس اور زورِ بیاں فزوں تر ہوا ہے۔ سوز و گداز ان کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے ہاں محرومیوں کا مذکور بھی ہے۔ ان کے اظہاریے میں آشوبِ عصر بھی بھرپور نوعیت کا ہے۔ وہ مکارمِ اخلاق کا بالواسطہ اور براہِ راست اظہار کرتے ہیں۔ انہیں اخلاقی اقدار کا احیا مطلوب ہے۔ اخلاص و مروت اور وفاؤں کی پالنا کرنا ان کا مقصودِ حیات معلوم ہوتا ہے۔ زندگی کی ستم ظریفیوں کا مذکور ان کے ہاں ندرت آمیز پیرائے میں ملتا ہے۔ انہیں اس امر کا ادراک حاصل ہے کہ ان کے وفا نوشتے بصورتِ شعر و سخن امر رہیں گے۔ ناہموار سماجی رویوں کا مذکور بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔ امیدِ واثق ہے کہ شبیر ناقِدؔ کی یہ کلیات ان کی شعری مقبولیت و پذیرائی میں سنگِ میل ثابت ہوگی۔ نمونۂ کلام کے بعد اجازت کا خواستگار ہوں۔

ترا نام اصل بیاض ہے ، ترا نام ہی مرا مدعا
ترے نام سے کروں ابتدا ترے نام پر کروں انتہا
(حمد،صلیبِ شعور،ص:11)

حسرت ہے یہ ناقد کہ ہو جب نزع کا عالم
اس وقت تری نعت کے اشعار ادا ہوں
(نعت،آہنگِ خاطر،ص:71)

جفا نگر میں مروتوں کا جواز کیا ہے ؟
نفور لوگوں میں چاہتوں کا جواز کیا ہے؟
(صبح کاوش،ص:247)

کوئی نام اس کو مناسب عطا ہو
یہ جینا بھی جینا ہے کیا مفلسی کا
(کتابِ وفا،ص:392)

ہے جہاں نفرت کا مسکن پیار ہے نوحہ خواں
ساتھ دینے سے ہیں قاصر یہ زمین و آسماں
(گنجِ آگہی،ص:478)

خدایا میں تیری رضا ڈھونڈتا ہوں
وفا کا ہوں خوگر وفا ڈھونڈتا ہوں
(جہانِ عقل وجنوں،ص:568)

بے وفا سا زندگی کا روپ ہے
میری قسمت چھاؤں کب ہے دھوپ ہے
(سوزِ حیات،زادِ سخن۔ص:620)

وفا میں نے کی ہے جفا میں نے پائی

کیا ہے کرم تو سزا میں نے پائی

(تجاربِ حیات، شہرِ سخن۔ص:1123)

(۳۷)

کتاب: سخن سخن جسارت

شاعر/مصنف: جسارت خیالی

اشاعت: 2023ء

صفحات: 96

قیمت: 600روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

جسارت خیالی ترقی پسند شاعر ونقاد ہیں۔ باذوق قارئین اور محققین اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ترقی پسند اہلِ قلم کا کیا ماضی تھا، کیا حال ہے اور کیا مستقبل ہوگا۔سرخ انقلاب کا نعرہ لگانے والے امن کے نظریاتی واطلاقی تصور سے نا آشنا ہیں۔ یہ بائیں بازو کے لوگ ہیں،اس لیے انھیں سیکولر خیال کیا جاتا ہے۔ان کا کلام شعری لطائف سے مبرا و ماورا ہوتا ہے۔ اس لیے ہرنوع کی فکری لطافتیں ان سے گریزاں نظر آتی ہیں۔ ان کی شاعری کو شاعری کم اور بیانات یعنی Statements زیادہ خیال کیا جاتا ہے۔ان کے سخن میں اس قدر سنجیدگی ہوتی ہے جو قاری کو زہر محسوس ہوتی ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ اپنے ہاں شعری لطافتوں کا استخدام پھر بھی نہیں کر پاتے۔یہی وجہ ہے کہ قاری ان کے کلام پر خطِ تنسیخ کھینچ کر مسترد کر دیتا ہے۔تاریخی شواہد وحقائق سے یہ امر مبینہ طور پر سامنے آتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس سخن ور کے ہاں فنی تلازمات نحیف ونزار ہوتے ہیں، اس

کے ہاں نثری نظم کے تجربات کی نمو بھی ہوتی ہے۔ کچھ یہی معاملہ جسارت خیال کا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فنی حوالے سے اس کی نسبت سے بہت سے استفہامیہ اشارات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس امر میں ایک مکمل صداقت ہے کہ نثری نظم اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ نثری نظم کا وہی مستقبل ہے جو انسانوں میں تیسری مخلوق کا ہے۔ ہمارے مذکورہ معروضات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کی دل آزاری کی جائے مگر ہم تو فکر و فن کی طرف ان کی مخلصانہ مراجعت کے خواہاں ہیں جو تا دمِ تحریر معدوم ہے۔ ہمارا مقصد اپنا موقف ان کے سامنے بے لاگ انداز میں رکھنا ہے جس میں کسی نوع کی لگی لپٹی نہ ہو۔

جسارت خیالی کی درج ذیل ادبی تصانیف منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔

1۔لا زماں سے زماں تک

2۔اقبال سوکڑی؛ شخصیت اور فن

3۔شعاعِ فردا

4۔سطوتِ حرف

5۔نویدِ سحر

6۔غالب کے نقشِ قدم پر (غالب کی زمینوں میں غزلیں)

7۔تذکرۂ شعرائے تونسہ

8۔نقدِ سخن (پاک و ہند کے نمائندہ شعرا پر تنقیدی مضامین)

10۔تذکرۂ شعرائے لیہ

11۔مشاہیر کے خطوط جسارت خیالی کے نام (مرتب)

12۔کلیاتِ خیال امروہوی (شعری کلیات، مرتب)

13۔مضامینِ خیال امروہوی (نثری کلیات، مرتب)

ان کے مذکورہ مجموعہ ءکلام نمونہ ءکلام کے طور پر ان کی غزلیات کے منتخب اشعار کے ساتھ ہی ہم موکل کے خواستار ہے۔

یہ پیٹ کا دوزخ کبھی بھرتا ہی نہیں ہے
کہتے ہیں بلا نوش بھی تشنہ دہن ہے
(ص:22)
اس شہرِ مظالم میں بغاوت کو ہوا دے
آ جائے سمجھ تجھ کو تو یہ بات بڑی ہے
(ص:24)
ملے گا اک نہ جرعہ بھی یہاں سے
زمیں والو نہ مانگوں آسماں سے
(ص:27)
میں اس راہ کا مسافر ہوں
جس میں کوئی شجر نہیں آتا
(ص:34)
فقر کا معجزہ ہے دنیا میں
کفر میں بندگی سلامت ہے
(ص:38)
چمن پہ راج صرصر کا ہے ایسے
کہ فصلِ گل کفِ افسوس ملتی ہے
(ص:39)
ہوتے نہیں مرعوب وہ طاقت کے اثر سے
پاتے ہیں جلا جذبے بغاوت کے اثر سے
(ص:45)
لٹا اسلاف کی میراث دی ہے

ہوئے مسحور اک کافر ادا سے
(ص:47)

ماحول بھی گلشن کا عجب دیکھ رہا ہوں
چہکار پرندوں کی نہ پر کیف سماں ہے
(ص:50)

(۳۸)

کتاب:	ڈاکٹر شہناز مزمل کے تخلیقی آفاق
تحقیق و تنقید:	شبیر ناقدؔ
مبصر:	شاعر علی شاعرؔ
اشاعت:	2023ء
صفحات:	164
قیمت:	1000 روپے
ناشر:	اردو سخن پاکستان، چوک اعظم (لیہ)
رابطہ:	0302-7844094

شبیر ناقدؔ جہانِ شعر و ادب کا ایک متحرک حوالہ ہیں جن کی منظوم و منثور تصانیف تواتر و تسلسل سے منصۂ شہود پر آ رہی ہیں۔ یوں وہ اپنے آپ کو تاریخِ ادب میں امر کر رہے ہیں۔ تادمِ تحریر ان کی بائیس شعری اور تیئس تحقیقی و تنقیدی تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں۔ گویا وہ نظم و نثر میں ایک حسین توازن قائم رکھے ہوئے ہیں اور دونوں میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شبیر ناقدؔ دنیائے نظم و نثر کا ایک معتبر نام ہے۔ نسائی شعری تحقیق و تنقید ان کی خامہ فرسائیوں کا ایک خاص شعبہ ہے۔ اس حوالے سے ان کے ہاں انفرادی و اجتماعی

ہر نوع کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ انفرادی حوالے سے ان کی تصنیف ’’شاہدہ لطیف کا تخلیقی ارتقا‘‘ خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب ہٰذا نسائی شعری تنقیدی سلسلے کی ایک دوسری کڑی ہے جس میں انہوں نے معروف شاعرہ ’’شہناز مزمل کے تخلیقی آفاق‘‘ کے تناظر میں رقم کی ہے۔ اجتماعی حوالے سے ’’شاعراتِ ارضِ پاک‘‘ کا بسیط کتابی سلسلہ اپنی مثال آپ ہے جس کے سات سنگل ایڈیشن اور دو جامع ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن کی طباعت کا اعزاز میرے طباعتی ادارے ’’رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی‘‘ کو حاصل ہے۔

یہ کتاب بھی ان کا ایک نمایاں کارنامہ ہے جس کے حوالے سے اس کتاب کے ناشر ناصر ملک کے مختصر تاثرات ملاحظہ کریں۔

’’یہ جناب شبیر ناقدؔ جو عہدِ موجود کے نامور اور معتبر نقاد و محقق ہیں، نے بڑی جانفشانی سے ڈاکٹر شہناز مزمل کے تخلیقی آفاق پر تنقیدی و تحقیقی جائزہ رقم کیا ہے جو نہ صرف اپنی نوع کی منفرد کاوش ہے بلکہ تحقیق و تنقید کا روشن حوالہ بھی ہے۔‘‘

شبیر ناقدؔ نے کتابِ مذکور کی تبویب کچھ یوں کی ہے۔

باب اول: شہناز مزمل کا سخن حمد نگاری کے آئینے میں۔

باب دوم: شہناز مزمل کا کلام نعت نگاری کے آئینے میں۔

باب سوم: قرآن پاک کے منظوم مفہوم ’’نورِ فرقان‘‘ کا اجمالی جائزہ۔

باب چہارم: شہناز مزمل کی نظم نگاری۔

باب پنجم: ڈاکٹر شہناز مزمل کا معرفت آمیز سخن

باب ششم: ڈاکٹر شہناز مزمل کی شاعری اور فکری بیداری

باب ہفتم: ڈاکٹر شہناز مزمل کا نظریہ ادب برائے زندگی

باب ہشتم: ڈاکٹر شہناز مزمل کا سخن عصری بے حسی کے حوالے سے

باب نہم: ڈاکٹر شہناز مزمل کی شعری رومانیت

باب دہم: ڈاکٹر شہناز مزمل داخلی احساسات کی شاعرہ

بابِ یازدہم: ڈاکٹر شہناز مزمل کی غزل کے فکری موضوعات

بابِ دوازدہم: ڈاکٹر شہناز مزمل کا عمومی طرزِ اظہار

مذکورہ بالا مشمولات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ شبیر ناقِدؔ نے کتاب ہذا کی تیاری میں خصوصی عرق ریزی سے کام لیا اور ڈاکٹر شہناز مزمل کے بیشتر فکری و فنی امکانات کو آشکار کیا ہے۔ دنیائے تحقیق وتنقید سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کتاب ہذا کسی سوغات سے کم نہیں ہے۔ دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر شبیر ناقِدؔ کو تحقیق وتنقید کی توفیقاتِ مزید سے نوازے۔

عشق نے کی راہنمائی یہ بہت اچھا ہوا
جانے کس منزل پہ لے جاتا غبارِ کارواں؟

(۳۹)

کتاب:	احمد ندیم قاسمی خاکوں اور یادوں میں
انتخاب وترتیب:	شاہد حنائی
رابطہ فون:	0335-7377377
اشاعت:	2023ء
صفحات:	336
قیمت:	2000 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

جیسا کہ کتابِ مذکور کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ احمد ندیم قاسمی کے حوالے سے خاکوں اور یادوں پر مشتمل ہے، اہلِ ادب اس امر سے بخوبی آشنا ہیں کہ احمد ندیم قاسمی جہانِ ادب کی ایک مہان شخصیت ہیں۔ بہت ہی کم ترقی پسند شاعر و ادیب ایسے ہیں جنہیں دنیائے ادب میں نہ صرف

نگاہِ استحسان سے دیکھا جاتا ہے بلکہ مقامِ اعتبار بھی انہیں حاصل ہے۔ ایسی ہی نابغہ ءروزگار ہستیوں میں احمد ندیم قاسمی بھی نمایاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ احمد ندیم قاسمی کے نظریہ ءفن نے ہی انہیں جلا بخشی ہے۔ ان کے بقول:

”آپ کو میرے نظریہ ءفن کی ایک ہی بنیاد نظر آئے گی اور وہ انسان دوستی کا احترام، انسان کا وقار اور اس کی عظمت ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس بنیاد کو اکھیڑ نے پر مجبور نہیں کرسکتی۔“

جس شاعر و ادیب کا یہ نظریہ ءفن ہو تو زمانے کی کوئی طاقت اسے امر ہونے سے نہیں روک سکتی۔ اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی کچھ زیادہ ہے کہ اس میں احمد ندیم قاسمی کے عہد کی تیس شخصیات کے ان کے حوالے سے خاکے اور یادیں موجود ہیں۔ ہر خاکہ نگار اور یادداشت نویس نے ان کی شخصیت، فکر و فن کے کسی نہ کسی گوشے کو آشکار کرنے کی سعیِ مندوب کی ہے اور اس حوالے سے وہ کامیاب و کامران بھی ہوا ہے۔

اس کتاب کے حوالے سے ڈاکٹر عامر سہیل کے تاثرات نذرِ قارئین ہیں:

”احمد ندیم قاسمی جیسی ہمہ رنگ شخصیت قدرت کا ایک ایسا انمول تحفہ ہے جو سماج میں انسان دوستی کا بھرم قائم رکھتا ہے۔ اس کتاب میں انتہائی قابلِ قدر اور ادب شناس مصنفین کے لکھے ہوئے خاکے شامل ہیں جنھوں نے اپنے ممدوح کو خلوت و جلوت میں بارہا دیکھا اور وہ ایسی باتوں سے بھی بخوبی واقف ہیں جن سے ہماری واقفیت یا تو بالکل نہیں ہے یا پھر نہ ہونے کے برابر ہے۔ خاکہ نگاروں کی اس کہکشاں میں ان کے بے تکلف دوستوں کے علاوہ ایسے احباب کی تحریریں بھی موجود ہیں جن کے دلوں میں قاسمی صاحب کی عقیدت اور بزرگی نقش تھی۔ یہ کتاب بلاشبہ نگار خانہ ءچین نظر آتی ہے جس میں احمد ندیم قاسمی کی متنوع اور طلسماتی شخصیت تخلیقی ادب سے وابستگی، انسان دوستی، پاکستانیت، حسِ مزاح، وسعت قلبی، نفسیاتی تہ داری اور عصری شعور جیسی اعلیٰ صفات کے بارے میں ٹھوس معلومات ملتی ہیں۔ جناب قاسمی

بہ یک وقت ایک ادبی، ثقافتی اور تہذیبی شخصیت کے مالک تھے۔ ایسی دل آویز شخصیت جو حکمت وفراست کے جوہر سے مزین ہو اور اپنے عہد پر گہرے اثرات مرتب کر چکی ہو۔ اسے آنے والے عہد میں بطور روشن مثال زندہ رکھنا لازمی ہے۔ یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

اس کتاب میں شامل خاکہ نگاروں کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

آغا سہیل، اے حمید، اشفاق احمد ورک، اعجاز رضوی، امجد علی شاکر، پیرزادہ محمد بخش، خورشید رضوی، رحیم گل، سلیم اختر، شورش کاشمیری، سید ضمیر جعفری، محمد خالد اختر، ضیاء الحق قسمی، طاہر مسعود، طہر احمد اعوان، عرفان لطیف کاشمیری، فارغ بخاری، قاضی جاوید، قمر یورش، گلزار لطیف کاشمیری، محمد طفیل، محمد کاظم، محمد کبیر خان، محمد یونس بٹ، مرحب قاسمی، مظہر محمد شیرانی، یوسف عالمگیر۔

بلا شبہ کتاب ہذا ندیم فہمی کے حوالے سے ایک سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے جسے یقیناً فردائی ادوار میں بطورِ حوالہ بروئے کار لایا جاتا رہے گا۔ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت فزوں تر ہو گی۔

(۴۰)

کتاب:	کتابِ دوستاں (تنقیدی مضامین)
مصنفہ:	فاطمہ حسن
رابطہ فون:	0333-2109250
اشاعت:	2023ء
صفحات:	192
قیمت:	900 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

اہلِ ادب کے طبقہء اناث میں بہت ہی کم خواتین ایسی ہیں جنہیں مشیتِ ایزدی نے نظم و نثر دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ فاطمہ حسن کا شمار بھی ایسی ہی فرخندہ نصیب بناتِ حوا میں ہوتا ہے۔ وہ ادب کے دونوں شعبوں نظم و نثر میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر لٹا چکی ہیں اور قارئینِ شعرو ادب سے خراجِ تحسین کی دولت بھی سمیٹ چکی ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے 2012ء میں صدارتی تمغہء امتیاز سے بھی نوازا جا چکا ہے۔

ان کے اس تنقیدی مضامین کے مجموعے میں مشمولات حسبِ ذیل ہیں:

1۔ ڈاکٹر اسلم فرخی اور ''نگارستانِ آزاد''

2۔ انور شعور فرقہء ملامتیہ کا شاعر

3۔ اکبر معصوم کی شاعری ذات و کائنات کے رنگوں سے سجی

4۔ بیدی کی کہانیوں میں عورت، پرش اور پراکرتی

5۔ پیرزادہ قاسم کی شاعری، خاموشی میں ابھرتی آواز

6۔ جمال احسانی، عہدِ حاضر کا ایک اہم شاعر

7۔ خالدہ حسین کا ناول ''کاغذی گھاٹ'' ایک مطالعہ

8۔ رضیہ فصیح احمد ''آبلہ پا'' سے ''زخمِ تنہائی'' تک

9۔ زاہدہ حنا کی تین جہتی کہانیاں

10۔ زہرا نگاہ کی شاعری ''فراق'' میں

11۔ شاہدہ حسن، ایک سچی شاعرہ

12۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری کی کتاب ''بلوچ سماج میں عورت کا مقام''

13۔ شیخ ایاز اور رسالہ شاہ کا ترجمہ

14۔ فراز، پرستش کی حد تک مقبول

15۔فراق،تخلیقات اور شخصیت

16۔فرحت پروین کی کہانیاں ''منجمد'' سے ''کانچ کی چٹان'' تک

17۔فہمیدہ ریاض ایک عہد کی شناخت

18۔فیض اور تنہائی

19۔قمر جمیل کی عصری آگہی اور چہار خواب

20۔کشور ناہید شاعری کی پہلی مزاحمتی آواز

21۔لطف اللہ خان،ایک شخصیت سب سے الگ

22۔مبین مرزا کی کہانیاں ''گم شدہ لوگ''

23۔محبوب خزاں کی ''اکیلی بستیاں'' اور گہری اداسی

24۔مشتاق احمد یوسفی کتاب بھر کے فاصلے پر

''کتاب دوستاں'' کے غائرانہ مطالعہ سے یہ حقیقت مبینہ طور پر آشکار ہوتی ہے کہ فاطمہ حسن نے خصوصی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ سے کام لیا ہے۔کتابِ مذکور کا نہ صرف اسلوبیاتی گراف بلند ہے بلکہ فکری وفنی تلازمات کا بھی ایک بحرِ ذخار کارفرما ہے۔جس میں عمیق مشاہدات و تجربات بھی ہیں اور ژرف نگاری بھی ہے۔تحقیقی وتنقیدی لوازمات کا عمدہ استخدام ان کے وسیع تر قوتِ مشاہدہؔ کی علامت ہے جس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ معاصرادبیات پر گہری نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔خوش آئند بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے نسائی ادب کے تحقیقی وتنقیدی ارتقا میں ایک سنگِ میل کا کردار ادا کیا ہے۔یہ کتاب اپنے مصادر ومراجع کی بدولت خصوصی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔

(۴۱)

کتاب: ثمر حیات کا (شعری مجموعہ)

شاعر/مصنف : سعید احمد اختر

اشاعت : ستمبر 2023ء

صفحات: 290

قیمت : 500روپے

ناشر: وطن یار بکس۔ بارہ کہو، اسلام آباد

سعید احمد اختر کا بنیادی تعلق ڈیرہ اسماعیل خان سے تھا۔ انہوں نے 20 اگست 2013ء کو انتقال فرمایا۔ ان کا شمار سینئر شعرا میں ہوتا ہے۔ اس لیے کتاب ہذا کے تاثرات نگاروں میں سینئر اربابِ فکر و نظر شامل ہیں۔ یہ کتاب ان کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام کا ایک انتخاب ہے۔ ویسے مجموعی طور پر ان کے ایک درج شعری مجموعے منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ انہوں نے اردو، سرائیکی اور انگریزی زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا ایک انگریزی شعری مجموعہ بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی کچھ نثری یاداشتیں بھی ہیں جن کی نوعیت جغرافیائی و تاریخی اور ادبی ہے۔ اس کتاب میں ان کا اردو، انگریزی اور سرائیکی کلام شامل ہے۔ تناسب کے اعتبار سے اردو کو بالادستی حاسل ہے۔ اس کتاب کے تحقیقی و تنقیدی اور تخلیقی و تجزیاتی مصادر و مراجع پر بات کرنے سے پہلے ان تاثرات کی جانکاری انتہائی ناگزیر ہے جو اس کتاب کے حوالے سے دیے گئے ہیں۔

''سعید احمد اختر کی شاعری باقاعدہ ایک تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ یہ صدیوں کے جبر و استحصال کا پس منظر ہے مگر اس پس منظر پر شاعر جو نقش ابھارتا ہے، وہ شعور اور روشنی کے نقوش ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سعید احمد اختر ایک ترقی پسند شاعر کے منصب سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے بھی فنکار ہی رہتا ہے اور یہ خصوصیت اسے اپنے متعدد معاصرین سے ممتاز کرتی ہے۔''

(فلیپ ،احمد ندیم قاسمی)

''سعید احمد اختر کی شاعری کے دو پہلو مجھے ہمیشہ متاثر کرتے رہے ہیں۔ ایک اپنے

عہد کا شعور اور دوسرا محبت کا زخم خوردہ احساس ۔ یہ دونوں پہلوان کی شاعری میں اس طرح گھل مل کے نمایاں ہوئے ہیں کہ زندگی کی وسعتوں میں سانس لینے والے متنوع حقیقتیں وحدتِ تاثر کے ساتھ ایک مخصوص لہجے میں سمٹ آئی ہیں۔ اس لہجے کی خصوصیت یہ ہے کہ تازہ اور شگفتہ بھی ہے اور اپنے ادبِ عالیہ کی روایت سے بے پروا بھی نہیں ۔"

(فلیپ ،حمایت علی شاعر)

"سعید احمد اختر کے اشعار ایسے عالم فاضل شخص کی مانند ہیں کہ ان کے خیال کے سامنے دماغ اور جمال کے سامنے دل جھک جائے ۔اس کی شاعری الفاظ کی بازی گری نہیں انفاس کی مرادمندی اور امکانات کی صورت گری ہے۔ اس نوع کی کشادہ آغوش اور گریباں چاک شاعری سے زمین و آسمان کی توقعات نہ سہی، انسان کی آسودگی اور آزادی کی امیدیں یقیناً وابستہ کی جاسکتی ہیں ۔"

(فلیپ ،سید ضمیر جعفری)

"سعید احمد اختر کی شاعری فہم وادراک کی شاعری ہے۔ اس نے مضمون آفرینی کے لیے خوبصورت پیکر تراشے ہیں جنہیں اردو غزل میں اضافے کا درجہ حاصل ہے۔ اسے مسلسل ریاضت اور وسیع مطالعے نے غزل کا مزاج داں بنا دیا ہے۔ اسے غزل کی تمام تر نزاکتوں اور لطافتوں کا شعور بھی حاصل ہے۔ انہیں برتنے کا ہنر بھی آتا ہے۔ اس نے غزل کی جدید وقدیم روایتوں سے ایک نیا آہنگ دریافت کیا ہے جو اس کے فن کی پہچان بن گیا ہے۔"

(فلیپ ،فارغ بخاری)

"سعید احمد اختر کی شاعری کو پڑھتے ہوئے قاری کو انڈو آرین تہذیب کے عظیم تحفے یعنی اردو کی گونا گونی وسعت اور تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شاعر نے سندھ اور چناب میں گنگا جمنا کوس مو کر یہ نیا اسلوب ڈھالا ہے۔ ان لفظیات

نے اردو کے دامن کو وسعت دے کر صرف اس کے تنوع ہی میں اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ افکارِ تازہ کے ایک سیل بے پایاں کو اردو شاعری کے نسبتاً ٹھہرے ہوئے پانیوں میں ملا دیا ہے۔‘‘

(فلیپ، پرتو روہیلہ)

’’سعید احمد اختر کے موضوعات میں جذباتی اور عقلی رویے یکساں طور پر ملتے ہیں۔ اس دائرے میں عالمی مسائل بھی آتے ہیں، حسن و عشق، بہار و خزاں، خدا اور نا خدا بھی اس میں شامل ہیں۔ انہوں نے گیتوں، غزلوں اور نظموں کی مانوس لفظیات اس طرح سے استعمال کی ہیں کہ شاعری کا ابلاغ بھی ہر سطح پر ہو جاتا ہے اور ان کی انفرادیت کی بے ساختہ ستائش بھی اپنا جواز بنا لیتی ہے۔‘‘

(فلیپ، سحر انصاری)

’’میں اپنے عہد کے ایک بہت ہی مشہور، مستند اور سینئر شاعر پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے خود کو شکر گزار پا رہا ہوں کہ مجھے اس لائق گردانا گیا اور میری توقیر افزائی کی گئی۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ عموماً ایک خاص عمر کے مرحلے تک پہنچنے کے بعد تخلیقی وفور کی شورش و شدت پہلے کی طرح نہیں رہتی۔ تاریخِ ادب سے شعرا کی ایسی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اپنی شعر گوئی کے آغاز سے عمر کے ایک مرحلے تک قابلِ توجہ شعر کہتے رہے اور پھر خود اپنے معیار کو برقرار نہ رکھ سکے۔ طویل عمر کی مشق و ریاض کا تجربہ شعر گوئی میں آسانیاں تو ضرور پیدا کر دیتا ہے۔ مگر سعید احمد اختر، ن م راشد اور مجید امجد کی طرح اس عمومی کلیے سے مستثنیٰ ٹھہرتے ہیں کہ پانچ چھ عشروں پر محیط شعری سفر کی اس منزل میں بھی ان کی تازہ فکری، تازہ خیالی، تازہ کاری اور تازہ ہنری میں وسعت ہی وسعت اور کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔‘‘

(پس سرورق، افتخار عارف)

تمام تر تاثرات نگارون نے حتی المقدور اپنی ادبی بساط کے مطابق سعید احمد اختر کے کسی نہ

کسی فکری و فنی پہلو کو اجاگر کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے اور اس کاوش میں وہ کسی نہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سعید احمد اختر ایک روایت ساز اور عہد ساز سخن ور تھے۔ ان کے کلام کو از منہءِ فردا میں نہ صرف پڑھا جائے گا بلکہ بھرپور انداز میں سراہا بھی جائے گا۔ یوں ان کے سخن کی بازگشت تادیر سنائی دیتی رہے گی۔ سعید احمد اختر کی شاعری کا نفسیاتی و حسیاتی اور فلسفیانہ گراف بہت بلند ہے۔ ان کے شعر کہنے کا انداز اکثر و بیشتر غیر روایتی نوعیت کا ہوتا ہے جس سے جدت کی نمو ہوتی ہے۔ شدتِ احساس اور زورِ بیاں کے تلازمات فزوں تر ہو جاتے ہیں۔ اگر چہ انہوں نے شعوری طور پر فکری ولسانی اور فنی دقیقہ سنجی سے راہِ گریز اختیار کرنے کی عمدہ کاوش کی ہے، مگر ان کے امکانات کہیں نہ کہیں ضرور آشکار ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں متضاد ومتنوع مضامین کو شعر کے مختصر پیمانے میں انتہائی خوبصورتی سے باندھا گیا ہے جس سے ان کی ہر نوع کی چابکدستی واضح ہوئی ہے۔

رومانوی حوالے سے ان کے ہاں بے پناہ ابلاغیت پائی جاتی ہے۔ وہ بہت بڑے فلسفوں کو دو مصرعوں کے حصار میں مقید کر دیتے ہیں۔ یوں قاری پر نہ صرف ان کی گرفت مضبوط ہوتی ہے بلکہ قاری کے حواس کو مستعد کرنے میں بھی کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کلائمکس حیرت واستعجاب کے نئے ابواب وا کر دیتا ہے۔ یوں قاری مسحور و محصور کن فضا میں رہتا ہے۔ سماج کے بدلتے ہوئے رویے بھی ان کا ایک خاص موضوع ہیں جن میں عصری بے حسی کی شدت کو واضح انداز میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں ایک موثر نوعیت کا استعاراتی نظام بھی کارفرما ہے جس کے فکری ڈانڈے مثالیت و آفاقیت سے جا کر ملتے ہیں۔ ان کا شعری اظہاریہ وسیع تر تاثیرات کا حامل ہے جن میں استفہامیہ اشارات کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

سعید احمد اختر کے ہاں پریم کے پوتر جذبات لامتناہی دائرہ کار کے حامل ہیں۔ انہوں نے زندگی کی عدم مقصدیت اور لایعنیت کو بڑے بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ یوں وہ ذہنی بیداری کا فریضہ بخوبی انجام دے پائے ہیں۔ جس سے ان کے کلام کی مقصدیت بھی اجاگر ہوئی ہے۔ یوں وہ ترسیلِ شعور کے کامیاب مرحلوں سے گزرے ہیں۔

مذہبی حوالے سے ان کا نکتہء نظر غیر روایتی اور وسعتوں کا حامل ہے۔ جس میں کسی نوع کے کسی تعصب کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ان کے ہاں تنقیدی رویوں کی نمو بڑے نادر انداز میں ملتی ہے۔ ان کا ہیئتی کینوس بہت وسیع ہے جس میں غزل بھی ہے اور پابند نظم کی مختلف ہیئتیں بھی ہیں۔ قطعات بھی ہیں اور سانیٹ بھی ہیں۔ ان کے نثری نظم کے تجربات بھی عمدگی کے حامل ہیں۔

کتابِ مذکور سے نمونہء کلام کے بعد اجازت کے خواستار ہیں۔

جو آنکھوں کے آگے ہے یقیں ہے کہ گماں ہے
جو آنکھوں سے اوجھل ہے خلا ہے کہ خدا ہے
شیطان بھی رہتا ہے مرے دل میں خدا بھی
اب آپ کہیں دل کی صدا، کس کی صدا ہے؟
(ص:1)

وہ ہونٹ مرے ہونٹوں سے پل بھر کہہ گئے
جو بات ماہ وسال کی تفصیل میں نہ تھی
(ص:3)

پھر بھی مجنوں کی ادا جانتے ہیں
لوگ ملتے نہیں لیلیٰ جیسے
(ص:18)

وہ اپنے گھر میں یوں ملتے ہیں جانثاروں سے
کہ بے گانوں سے جیسے راہ میں بیگانے ملتے ہیں
(ص:19)

جواں ہو گئے میرے بچے تو میں
بس اک بے اثر سی دعا رہ گیا
(ص:24)

کاغذ کے پھول بیچنے والے یہ راست باز
پت جھڑ کو بھی بہار کا موسم بتائیں گے
(ص:26)

بات جب نہ ہو ان کے مطلب کی
پھر وہ مطلب کہاں سمجھتے ہیں
(ص:27)

پیار گہرائیوں کا موتی ہے
زندگی ریت ہے کنارے کی
(ص:46)

مری زندگی عبادت کا طویل سلسلہ ہے
ترا گھر مرا حرم ہے ترا در مری جبیں ہے
(ص:47)

راہ معلوم نہ منزل پہ چلے جاتے ہیں
جس طرح قافلہ اندھوں کا رواں ہوتا ہے
(ص:52)

میرا خدا بلند ہے مذہب کی قید سے
سن لوں ذرا بھجن تو پڑھوں گا نماز بھی
(ص:55)

عجب ڈھنگ ہے اپنی وطن پرستی کا
زمیں کی نسل ترستی ہے آسمانوں کو
(ص:59)

(۴۲)

کتاب: دانستہ (اردو دیوان)

شاعر/مصنف: شاعر علی شاعرؔ

انتخاب: جاوید رسول جوہر

اشاعت: 2023ء

صفحات: 432

قیمت: 2000 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

شاعر علی شاعرؔ ادبی حوالے سے ایک ہمہ جہت اور فعال و متحرک شخصیت ہیں۔ وہ ادب کی خدمت کو بلا خوفِ سود و زیاں روح کی ریاضت گردانتے ہیں۔ یہ وہ جذبہ ہے جو کسی بھی اہلِ قلم کے لیے جہانِ ادب میں معتبر ہونے کے لیے کافی و شافی ہے۔ تبصرہ ہذا میں ہم ان کی تازہ پیش رفت، ''دانستہ'' کے حوالے سے رقم طراز ہیں جس میں تمام حروفِ تہجی کی ردیفوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح انھوں نے ایک کلاسیکی شعری روایت کا احیاء کیا ہے۔ یوں انھوں نے اپنے کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہونے کی ایک سند جاری کر دی ہے جو لائقِ تحسین بھی ہے اور ناقابلِ فراموش بھی ہے۔ اس سے قبل کہ ہم اس کتاب کے تناظر میں کسی نوع کی تحقیقی و تنقیدی اور تجزیاتی و تبصراتی حاشیہ آرائی کریں، اس حوالے سے ان تاثرات کی جانکاری بھی انتہائی ناگزیر ہے جو کتاب ہذا کا حصہ ہیں کیونکہ جمہوری طرزِ تنقید میں حدیثِ دیگراں کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس حوالے سے اس کتاب کے کلام کے انتخاب کنندہ جاوید رسول جوہر کی رائے حسبِ ذیل ہے:

''شاعر نے تمام حروفِ تہجی کی ردیفوں میں اچھی غزلیں کہی ہیں جس سے ان کے

زود گو، پختہ کار اور کہنہ مشق ہونے کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔شاعر کے کلام کو نہ صرف شعر و سخن کے قارئین اور طالبانِ علم و ادب پسند کرتے ہیں بلکہ شاعری کے ناقدین اور اردو ادب کے مشاہیر بھی سراہتے ہیں جس کا ثبوت وہ مضامین ہیں جن میں ناقدین کی مثبت آرا موجود ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعر ایک اچھا سخنور ہے اور خیال کو سجا کر پیش کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ وہ اپنا تخلیقی کام چاہے شاعری ہو یا افسانہ نگاری، یا پھر صحافتی ذمہ داری ہو،نہایت ایمانداری ،محنتِ شاقہ، باریک بینی، یکسوئی ،جاں فشانی اور تلاش و جستجو سے انجام دے رہا ہے۔اس کے قلم سے ترتیب وتدوین ،تصنیف وتالیف اور تخلیق پا کر ایک سو تیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔''

اب ذرا پروفیسر یونس حسن کی رائے شاعر علی شاعرؔ کی شاعری کے حوالے سے ملاحظہ کریں:

''شاعر علی شاعر کی غزل تنوع اور رنگا رنگی کے ساتھ نئے امکانات کا پرتو لیے ہوئے ہے۔اس میں عومی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ خواص کی نہیں بلکہ عوام کے جذبات کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ان کے غم، ان کی خوشیاں، ان کی زندگی کے نشیب و فراز، ان کی محبتیں، ان کی نفرتیں سب کچھ شاعر کے سامنے وہ چونکہ خود بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں،اس لیے جب وہ ان کی زندگی کے مرقعات دکھاتے ہیں تو کسی بھی چیز سے صرفِ نظر نہیں کرتے بلکہ جزئیات تک کو سامنے لے آتے ہیں۔ یہ مرقعات اور تصویریں ہی آج کا سچ ہیں۔اس ضمن میں اس نے کہیں بھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا بلکہ حقیقت کی عکاسی کی ہے۔''

شاعر علی شاعرؔ کے فحوائے شعر میں ایک شدید نوعیت کا احساسِ تنہائی ہے جو عصرِ حاضر کے انسان کا ایک المیہ ہے اور کرب و سوز کی فضا تشکیل دے رہا ہے۔ان کے ہاں عصری بے حسی کے ٹھوس اور منطقی امکانات موجود ہیں جن کے اسباب و علل میں قحط الرجال کی کیفیت نمایاں ہے، مکارمِ اخلاق کی پامالی ہے، مثالیت و آفاقیت کا فقدان ہے،سماجی اقدار کی زبوں حالی، خود غرضی

اور مفاد پرستی کا فروغ ہے، جس کے باعث معاشرے میں ایک نفسا نفسی کا محشر بپا ہے۔ یوں وہ بالواسطہ طور پر اخلاقی آدرش کی بدولت ترسیلِ شعور کا کام بخوبی کر رہے ہیں۔ ان کے ہاں غلوئے فکر کے شواہد نہایت عمدگی کے پیرائے میں ملتے ہیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سماجیات سے ان کا رشتہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نظریہء ادب برائے زندگی کے حامی ہیں۔ وہ ایک درویش منش شاعر و ادیب ہیں۔ اس لیے دنیاوی لوازمات سے بے نیاز دکھائی دیتے ہیں۔ وہ فکری حوالے سے ایک ایسے منصب پر فائز ہیں جہاں انسان کو دنیاداری زیب ہی نہیں دیتی اور یہی ان کی شخصیت کی بہت بڑی سچائی ہے۔

ان کی شعریات میں اساطیری تلمیحات ایک اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ وہ سماج میں ظلمتوں کے خلاف ہیں۔ تیرگی ان کے نزدیک ناپسندیدہ و معیوب ہے، اس لیے وہ اجالوں کا فروغ چاہتے ہیں۔ ان کے کچھ اشعار جو بظاہر انفرادی حوالوں کے حامل ہیں، انہیں اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو وہ اجتماعیت کی ردا اوڑھے ہوئے ہیں، وہ مفلوک الحال طبقے کی نمائندگی بڑے بھرپور انداز میں کرتے ہیں۔ ترقی پسند فکر اور انسان دوستی کا آدرش ان کے ہاں نمایاں ہے۔ محرومی کے دکھ کو بڑے تجریدی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے بیانیہ کینوس میں ایک روح فرسا نوعیت کا رومانوی تموج پایا جاتا ہے جو ان کے کلام کی جاذبیت اور اپنائیت کو دوبالا کر دیتا ہے۔

شاعر علی شاعرؔ کی فکریات میں عجز و انکسار کے خصائص بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں مگر ان کے پہلو بہ پہلو شاعرانہ تعلیات کی نمو بھی پائی جاتی ہے۔ یوں ایک گریز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے کلائمکس بھی جنم لیتا ہے۔ یوں ایک حیرت و استعجاب کا جہاں آباد ہو جاتا ہے۔ رومانوی حوالے سے ان کے ہاں ایک طرح کا کیف و سرور ہے جو سرخوشی و سرمستی کی علامت ہے اور استعاراتی رنگ کی حامل بھی ہے۔ ان کی شاعری میں فزوں تر انکشافات پائے جاتے ہیں جو قاری کو جہانِ حیرت و استعجاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ وہ ناہموار رویوں جیسے سماجی خبائث سے مبرا و ماورا ہیں۔ ان کے سخن میں رعایتِ لفظی اور تکرارِ لفظی و معنوی کی عمدہ تمثیلات ملتی ہیں۔ ان کے ہاں آشوبِ ذات کی بھرپور امثال پائی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حزنیہ شعری طبع کے

حامل ہیں۔

ان کا شعری بیانیہ فطری رچاؤ کا حامل ہے جس میں مظاہرِ فطرت کا استخدام عمدگی کے پیرائے میں کیا گیا ہے۔ یوں ان کا کلام سراپا آمد محسوس ہوتا ہے جس میں تصنعات و تکلفات کا کوئی گزر نہیں ہے۔ یہی امر ان کے سخن کی مقبولیت و پذیرائی کی مبینہ دلیل بھی ہے۔ عصری آشوب کے امکانات بھی ان کے ہاں بھرپور رنگ میں ملتے ہیں۔ سماج میں عدم مساوات کے رویے ان کے قلبی قلق کا باعث بنتے ہیں۔ انہوں نے محاورات کا التزام بھی انتہائی خوبصورتی سے کیا ہے۔ ان کے اظہاری کینوس میں خمریاتی اثرات و لوازمات بھی کارگر ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کلاسیکی شعری روایت سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

شاعر علی شاعرؔ کا تعلق اگرچہ جدید رویوں سے ہے، مگر وہ روایتوں کے بھی گرویدہ ہیں، اس لیے وہ پرکھوں کے ادب و احترام کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ اس طرح وہ نسلِ نو کی آموزش و فہمائش کا اہتمام کرتے ہیں۔ سماجی اقدار کے ستونوں کا احترام ان کی سرشت میں شامل ہے۔ وہ معاشرے کے نازیبا رویوں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں۔ یوں ان کے ہاں تنقیدی رویے رونما ہوتے ہیں۔ وہ شعر کے مختصر پیمانے میں فلسفیانہ مضامین باندھنے میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں احساس و مروت کے اثرات اپنی مثال آپ ہیں۔ کیونکہ وہ عمرانی حوالے سے فروغِ خلوص کے خواہاں ہیں۔ ان کے ہاں پندارِ ذات صحت مند و توانا نوعیت کا ہے جو ان کے بندِ ضبط کی قوی دلیل ہے۔ اسی حوالے سے وہ کسی نوع کی مصلحت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

طولِ بیاں کا خوف مانع ہے اور قاری کی طبعِ نفیس کا لحاظ بھی ہے، اس لیے تجزیاتی و تبصراتی عمل کو یہاں موقوف کیا جاتا ہے اور شاعر علی شاعرؔ کے دیوان بعنوان ''دانستہ'' سے نمونۂ کلام پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ذیل کے اشعار قدرے مشکل ردیفوں سے لیے گئے ہیں تاکہ قاری شاعر علی شاعرؔ کی قادرالکلامی کا تعین بہ آسانی کر سکے۔

سب رنگ اڑا چکی ہے مرے تنہائیوں کی دھوپ
مجھ کو نہ راس آئی شناسائیوں کی دھوپ

(ص:127)

سوتا ہوں فلک اوڑھ کے بستر پہ زمیں کے
رکھتا ہی نہیں میں در و دیوا کا جھنجھٹ

(ص:134)

مجنوں کا کیا مقام ہے لیلیٰ سے پوچھیے
ہے آپ کی نظر میں تو آوارگی عبث

(ص:136)

تیرگی سے جو لڑے اور اجالا کر دے
قابلِ دید ہوتی ہے کرن کی معراج

(ص:137)

میرے سینے پر جو تنے ہاتھ رکھا جانِ جاں
کہہ رہی تھی شکریہ جھک کر جگر کی شاخ شاخ

(ص:146)

بکھرا پڑا ہے یہ دنیا کے سامنے
دنیا سمجھتی ہے کہ ہے سمٹا ہوا وجود

(ص:148)

میں بھی عجیب شخص ہوں ہر حال میں ہوں خوش
ہے جیت پر غرور نہ ہے مات پر گھمنڈ

(ص:150)

تصویر ہو گیا ہوں میں تصویر دیکھ کر
میری نظر میں کھل گیا تصویر کا محاذ

(ص:151)

سر مجھ سے ہو سکے نہیں حالات کے پہاڑ
رستے میں آ گئے تھے مری ذات کے پہاڑ
(ص:167)

تنکوں کا آشیاں مجھے جاں سے عزیز ہے
برگ و ثمر پسند ، شجر ، پات ہیں عزیز
(ص:171)

(۴۳)

کتاب:	اکیسویں صدی کا اقبال، ڈاکٹر سید قاسم جلال
مرتب:	شفیق الرحمٰن الہ آبادی
رابطہ فون:	0300-7725894
اشاعت:	2023ء
صفحات:	494
قیمت:	800روپے
ناشر:	ایم ارسلان پبلشرز، ملتان/فیصل آباد/لاہور
رابطہ:	0309-5109344

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کارِ تحقیق و ترتیب کارِ تنقید سے زیادہ دقت طلب اور فزوں تر وقت کا متقاضی ہے کیونکہ ایک نقاد کو اپنے فکری و فنی معروضات کی بدولت اپنی انتقادی بصیرت سے کام لینا ہوتا ہے جو اتنا زیادہ وقت طلب نہیں ہوتا جبکہ ایک محقق کے لیے مواد کی بازیافت و دریافت اور ترتیب ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے جسے کارِ فرہاد کا مثیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے شفیق الرحمٰن الہ آبادی فرخندہ نصیب قرار پائے ہیں کیونکہ وہ یہ کٹھن فریضہ بخوبی سرانجام دے رہے

ہیں۔ تحقیقی وتنقیدی حوالے سے ان کی متعدد تالیفات وتصنیفات منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ ان کا شمار مادرِ گیتی کے معروف وبالیدہ فکر محققین وناقدین میں ہوتا ہے کیونکہ وہ خدمتِ ادب کو روح کی ریاضت گردانتے ہیں اور اسی میں ہی ان کی تسکینِ طبع کا پہلو بھی مضمر ہے۔ وہ اس وقت تدریسی و تصنیفی دونوں محاذوں پر محوِ پیکار ہیں جو ان کی اولوالعزمی کی مبینہ دلیل ہے۔

شفیق الرحمٰن الٰہ آبادی کا وصفِ خاص یہ ہے کہ وہ تحقیقی حوالوں سے زیادہ تر ان شعبوں میں کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں جو زیادہ مشکل اور فزوں تر اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کتاب ہٰذا ''اکیسویں صدی کا اقبال، ڈاکٹر سید قاسم جلال'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوتی ہے کہ انہوں نے فکری حوالوں سے اقبال کے توسیع کاروں کی نسبت سے منظم و منضبط کام کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ امر انتہائی خوش آئند ہونے کے پہلو بہ پہلو فزوں تر ریاضت کا خواستار بھی ہے۔

ڈاکٹر سید قاسم جلال ایک نابغہ روزگار اور ہمہ جہت ادبی شخصیت ہیں جنھوں نے تخلیق اور تنقید کے شعبوں میں تواتر وتسلسل سے کام کیا ہے۔ انہوں نے لسان اردو کی خدمت کے پہلو بہ پہلو اپنی مادری زبان کی خدمت بھی بطریقِ احسن کی ہے۔ ان کی ادبی ریاضتوں کا دائرۂ کار نصف صدی پر محیط ہے۔ ان کی چالیس تصنیفات زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ان کے حوالے سے اعترافات واعزازات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ علامہ اقبال کی فکری توسیع کاری کے حوالے سے ان کا یہ کام ایک سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ ادب کی مقصدیت کے قائل ہیں اور اس کے افادی پہلوؤں سے بخوبی آشنا ہیں۔ ان کے ہاں نظریۂ ادب برائے ادب اور نظریۂ ادب برائے زندگی ہر طرح کے امکانات بڑے وقیع انداز میں ملتے ہیں۔ اس سے قبل کہ کتاب مذکور کے تحقیقی وانتقادی امور کو زیرِ بحث لایا جائے، ڈاکٹر سید قاسم جلال کے حوالے سے اربابِ فکر ونظر کی آراء کا جاننا بھی انتہائی ناگزیر ہے کیونکہ جمہوری طرزِ تحقیق وتنقید میں حدیثِ دیگراں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مختصر ومنتخب تاثرات حسبِ ذیل ہیں جو کتابِ مذکور کا حصہ ہیں۔

''قاسم جلال کی شاعری میں ایک بصیرت یافتہ روح کی آواز سنائی دیتی ہے۔ان کی شاعری نے اسلوب کی حسن کاری اور گہرے غور و فکر سے توانائی پائی ہے۔جلال کی فطری اور خداداد صلاحیتوں نے ان کے کلام کو نکھارا اور سنوارا ہے۔ مجھے خاص طور پر ان کی اسلامی نظمیں بہت پسند ہیں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ان کی شاعری پر اسی طرح اسلامی سوچوں کا رنگ غالب رہے اور وہ ملک وقوم کی خدمت کرتے رہیں۔''

(ابوالاثر حفیظ جالندھری،ص:467)

''جناب قاسم جلال کی تصنیفات میں نے پڑھی ہیں۔ اردو کے علاوہ انہوں نے سرائیکی میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ میری توقع کے مطابق ترقی کی طرف جا رہے ہیں۔ان کے کلام میں روانی کے علاوہ تجربہ بولتا ہے۔یہ پرانی روش سے ہٹ کر شعر کہتے ہیں۔ان کے کلام میں جب مستقبل آ کر چراغ جلائے گا تو اور محاسن بھی اجاگر ہوں گے۔قاسم جلال اپنی عمر سے پہلے اپنا عروج دیکھیں گے اور اس میں یہ دوران کو مدد دے گا۔''

(احسان دانش،ص:467)

''اسلام نے شائستہ اور ادیبانہ شاعری سے منع نہیں کیا۔ جلال کی اسلامی اور اخلاقیات کی حامل شاعری مستحسن ہے۔میرا انہیں مشورہ ہے کہ وہ اپنے اسی اصلاحی مشن کو جاری رکھیں تاکہ خدا کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔''

(سید ابوالاعلیٰ مودودی،ص:468)

''قاسم جلال اردو اور سرائیکی شعر و ادب پر بیک وقت قدرت رکھتے ہیں۔ جدید شاعروں میں ان کا کلام بہت جاندار، موثر اور سحر انگیز نظر آتا ہے۔قاسم جلال کی آواز دنیائے شعر میں فکری بلوغ، فنی محاسن، تخلیقی ادراک اور مرصع اندازِ بیاں کے اعتبار سے ہمارے کلاسیکی فکر و فن کی بازگشت ہے۔ یہ سوچ کر حیران رہ جاتا ہوں

کہ جس طائرِ فکر نے اس کاخِ بلند سے پرواز کی ہے، اس کی آخری منزل کیا اور کہاں ہوگی؟''

(رئیس امروہوی،ص:468)

''قاسم جلال سچ محسوس کرتا ہے، سچ بولتا ہے اور سچ لکھتا ہے۔اس کا طرزِ کلام زیادہ موثر اور اس کا لب ولہجہ زیادہ منفرد دور جائی ہے۔''

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری،ص:468)

''سید قاسم جلال ایک ہمہ جہت شاعر ہے۔ اس نے غزل،نظم،قطعہ،نعت، ستائشِ حسن، بیانِ وارداتِ قلبی، شکایتِ روزگار، مذمتِ ریا ومنافقت،غرض ہر موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔اس کی غزل روایت کی پاسدار ہے لیکن مضامین میں تنوع اور جدت ہے۔ ہر شئے اپنی جگہ درست اور چست ،ان سب پر مستزاد یہ ہے کہ اظہار میں وفور اور فراوانی کا عنصر غالب ہے۔قاسم کی شاعری آنے والے عنوانِ بہار کا پتہ دیتی ہے۔غالب توقع ہے کہ وہ اگر اپنی اسی روش پر قائم رہا تو ملک کے ممتاز سخن وروں میں بلند مقام حاصل کرلے گا۔''

(ڈاکٹر سید عبداللہ،ص:469)

''قاسم جلال اردو اور سرائیکی شعروادب پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔انہوں نے ہر صنفِ سخن میں کاوش کی ہے اور ہر کاوش کو ایک مستند معیار دیا ہے۔ان کی حمد، نعت،نظم اور غزل جہاں ان کے شاعرانہ تفکر اور فنِ شاعری پر عبور کی دلیل ہے، وہاں گیت نگاری کی صنفِ سخن میں بھی انہیں ماہرِ فن کی حیثیت حاصل ہے۔''

(طفیل ہوشیار پوری،ص:469)

''میں نے قاسم جلال کے کلام کا مستقلاً مطالعہ کیا ہے۔ ان کے ہاں فکری ارتقا کے آثار تسلسل کے ساتھ محسوس ہوتے ہیں۔ان کی غزل ان کی تخلیقی شخصیت کی جلوہ گری سے اخذِ آب و رنگ کرتی ہے۔ یہ زندہ رہنے والی غزل ہے۔فکر انگیز،خیال

افروز اور تب وتابِ زندگی سے تپش اندوز، بیشتر اشعار زندگی افروز اور حکمت آموز ہیں اور یہ ان کی بڑی نمایاں و امتیازی خوبی ہے۔''

(میرزا ادیب، ص:469-470)

''قاسم جلال کی تحریر میں بے پناہ تاثیر ہے۔''

(ممتاز مفتی، ص:470)

''ڈاکٹر سید قاسم جلال بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن ان کے باطن میں ایک نقاد بھی موجود ہے جو فن پارے کی جزئیات سے ادیب اور مصنف کا کھوج لگانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

(ڈاکٹر انور سدید، ص:470)

''قاسم جلال کی غزل ایک عمدہ تخلیق کی صورت میں ابھری ہے۔''

(ڈاکٹر وزیر آغا، ص:470)

''قاسم جلال کی شاعری فکر و خیال اور حرف و بیان کی خوبیوں کا دلآویز مرقع ہے۔''

(عبدالعزیز خالد، ص:471)

''ڈاکٹر سید قاسم جلال اردو ادب کے استاد ہیں۔ شعر و ادب سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بہت جلد ادب وتنقید کی دنیا میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔''

(ڈاکٹر جمیل جالبی، ص:471)

''ڈاکٹر سید قاسم جلال علم و ادب کی ایک ہشت پہلو شخصیت ہیں، محقق و نقاد بھی ہیں اور خوش فکر شاعر بھی۔''

(ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ص:471)

کتاب ہذا ڈاکٹر سید قاسم جلال کے حوالے سے چالیس سے زائد تحقیقی وتنقیدی اور تجزیاتی و تبصراتی شذرات کا مخزن ہے۔ شذرات نگاروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ڈاکٹر شاکر کنڈان، سب جمال، ضیاء الرحمان یعقوب، شازیہ جبیں، پروفیسر حفیظ الرحمان،

پروفیسر فدائے اطہر، سید محمد افسر جاوید، حافظ الطاف انجم، پروفیسر عطا اللہ اعوان، منظر عارفی، ڈاکٹر عصمت درانی، پروفیسر قدرت اللہ شہزاد، ڈاکٹر عزیز انصاری، ڈاکٹر عاصی کرنالی، ڈاکٹر نجیب جمال، ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، خادم رزمی، پروفیسر میاں محمد اقبال ندیم، حنیف راحل، پروفیسر شفیق الرحمٰن الہ آبادی، خورشید بیگ میلسوی، شاعر علی شاعرؔ، بیگم خورشید، حفیظ جالندھری، سید تابش الوری، پروفیسر زہیر کنجاہی، ندیم نیازی، ڈاکٹر معین نظامی، پروفیسر میج غلام نبی، پروفیسر ضیغم شمیروی، سید شہاب دہلوی، پروفیسر جمیل احمد عدیل، حسین صحرائی، ڈاکٹر منور ہاشمی، پروفیسر ذیشان تبسم، صائمہ ممتاز۔

تمام تاثرات وشذرات نگاروں نے حتی المقدور اپنی ادبی بصیرت کے مطابق ڈاکٹر سید قاسم جلال کے کسی نہ کسی فکری وفنی، تخلیقی وتنقیدی اور تحقیقی پہلو کو آشکار کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے اور وہ اس حوالے سے کسی نہ کسی حد تک کامیاب وکامران بھی ہوئے ہیں۔

بہرحال کتاب ہذا ڈاکٹر سید قاسم جلال فہمی کے حوالے سے ایک سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے جس کی بدولت ان کے فکر وفن، تخلیق وتنقید اور تحقیق کو بہ حسن وخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ شفیق الرحمٰن الہ آبادی ایسی عمدہ کاوش پیش کرنے کے باعث صحیح معنوں میں ہدیہء تبریک کے مستحق ہیں۔ خدائے حرف وصوت سے استدعا ہے کہ انہیں تحقیق وتنقید کے حوالے سے توفیقاتِ مزید سے نوازے۔

امیدِ واثق ہے کہ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ فردائی ادوار میں اس کتاب کی اہمیت دوچند ہو گی۔ اسے نہ صرف پڑھا جائے گا بلکہ بھرپور انداز میں سراہا بھی جائے گا۔

(۴۴)

کتاب: تاریخِ اسلام کی روشنی میں تصوف کا ارتقا

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

تحقیق وتصنیف: ڈاکٹر شیما ربانی

اشاعت: 2023ء

صفحات: 336

قیمت: 1200 روپے

ناشر: رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0345-2610434

ڈاکٹر شیما ربانی جہانِ علم وادب کی ایک معتبر شخصیت ہیں۔ ان کا تعلق تدریس وتصنیف کے شعبوں سے ہے۔ انہوں نے افسانے بھی لکھے اور مضامین بھی قلم بند کیے۔ مزید برآں تحقیقی وتنقیدی نیز تاریخی نوعیت کا کام بھی کیا ہے۔ ان کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ Emergence to Modernism 2008ء

2۔ خواب ستارے (افسانے) 2010ء

3۔ اساس (مضامین) 2014ء

4۔ تاریخِ اسلام کی روشنی میں تصوف کا ارتقا (سقوطِ بغداد تک) 2017ء

5۔ پت جھڑ سے پہلے (افسانے) 2019ء

6۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (ترجمہ) 2023ء

''تاریخِ اسلام کی روشنی میں تصوف کا ارتقا'' کے حوالے سے کتاب ہذا کے ناشر شاعر علی شاعرؔ کے تاثرات درج ذیل ہیں۔

''جب میں نے ڈاکٹر شیما ربانی کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی ''تاریخ اسلام کی روشنی میں تصوف کا ارتقا'' پڑھا تو میں ان کی علمی شخصیت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا کیونکہ میری نظر سے ایسے مقالے بھی گزرے ہیں جن کو پڑھ کر اغلاط نامہ ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ ایسے تحقیقی مقالات پر تعلیم کی اعلیٰ ڈگری تفویض ہونا کسی بھی

یونیورسٹی پر سوالیہ نشان ہے مگر ڈاکٹر شیما ربانی کا مقالہ ان کی محنتِ شاقہ، باریک بینی، عرق ریزی اور تلاش و جستجو کی تحقیقی ریاضت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ نہ جانے انہوں نے کہاں کہاں، کس کس طرح طرح، کس کس جگہ سے تحقیقی مواد اکٹھا کیا ہوگا اور اسے تحقیقی مقالے کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا ہوگا۔ مزید حیرت یہ سوچ کر ہوئی کہ ڈاکٹر شیما ربانی صنفِ نازک ہوتے ہوئے اس مشکل اور دشوار کام سے نبرد آزما ہوئیں اور ہمت کر کے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اپنے نیک مقصد میں کامیاب ٹھہریں۔''

حقیقت ہے، وہی لوگ اس دنیا میں کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں جو ثابت قدم رہیں اور دل جمعی سے اپنے سفر کو تسلسل سے جاری رکھیں۔ وہی لوگ منزلِ مقصود پاتے ہیں جو راستوں کی رکاوٹوں کی پروا نہیں کرتے اور موسم کے سرد و گرم کو برداشت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شیما ربانی کا شمار بھی ایسے ہی افراد میں ہوتا ہے جو نامساعد حالات کا مقابلہ مردانہ وار کرے ہیں اور دنیا کے مختلف رویوں سے دل برداشتہ نہیں ہوتے۔ اس لیے انہوں نے اپنی ان تھک محنت، تعلیمی قابلیت، علمی شخصیت اور ذہنی صلاحیت کی بنا پر ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اور درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو کر معمارانِ قوم و ملت کے اذہان و قلوب کو علم کے نور سے منور کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج نئی نسل ان کا نام ادب و احترام سے لیتی ہے کیونکہ وہ بحیثیت ماہرِ تعلیم اپنے علم و فن سے ہزاروں چراغ روشن کر چکی ہیں جن کی روشنی سے ایک عالم تا دیر منور رہے گا۔

کتاب مذکور کے حوالے سے شاعر علی شاعرؔ کے تاثرات ایک مکمل اجمالی جائزے کا درجہ رکھتے ہیں جس میں موصوف نے اپنی تحقیقی و تنقیدی بصیرت کی بدولت اس کتاب کے حوالے سے انصاف کے تقاضے بخوبی نبھائے ہیں اور ڈاکٹر شیما ربانی کے فکر و فن کی کشود کے عمل کو سہل تر کر دیا ہے۔ گویا اس کتاب کی تفہیم کے لیے شاعر علی شاعرؔ کے تاثرات کا مطالعہ انتہائی ناگزیر ہے۔

کتاب ہذا کے مشمولات حسبِ ذیل ہیں۔

باب اول :	تصوف کے معانی و مفاہیم مذاہبِ عالم کی روشنی میں

فصلِ اول: ہندو مذہب کی روشنی میں روح و نفس کا مفہوم

فصل دوم: بدھ مت کی روشنی میں روح و نفس کا مفہوم

فصل سوم: یہودیت کی روشنی میں روح و نفس کا مفہوم

فصل چہارم: عیسائیت کی روشنی میں روح و نفس کا مفہوم

فصلِ پنجم: فلسفہ اور صوفیانہ تشبیہات کی روشنی میں روح و نفس کا مفہوم

نتیجہء بحث

باب دوم :	عرب قوم کا تاریخی پس منظر، تہذیبی و مذہبی تاریخ

باب سوم:	عہدِ بنوامیہ میں تصوف کا ارتقا و عروج

باب چہارم :	عہدِ بنوعباس میں تصوف کا ارتقاو عروج

نتیجہء بحث ۔ کتابیات ۔ ضمیمہ، صوفیانہ سلسلوں کا علمی و معاشرتی سفر، اجمالی تذکرہ

حصہ اول :	صوفیانہ سلسلوں کا علمی و معاشرتی سفر

حصہ دوم:	تعارف ڈاکٹر شیما ربانی

کتاب ہذا کے مصادر و مراجع اور اشارات و ضمیمہ جات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ڈاکٹر شیما ربانی نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں تحقیقی حوالوں سے انتہائی جانفشانی، عرق ریزی، محنتِ شاقہ اور ریاضتِ بسیار سے کام لیا ہے۔ اس طرح وہ ایک معتبر کتاب کی پیشکش میں کامیاب و سرخرو ہوئی ہیں ۔ امید ہے کہ ازمنہء فردا میں بھی کتابِ مذکور کی تحقیقی اہمیت کو بھرپور انداز میں سراہا جائے گا۔

اگر تحقیقی تناظر میں ڈاکٹر شیما ربانی اسی طرح اپنی کشیدِ جاں کے جواہر لٹاتی رہیں تو امیدِ واثق ہے کہ ان کا شمار مادرِ گیتی کے معتبر محققین کی فہرست میں نمایاں ہوگا۔ دیدہ باید کہ ان کی تحقیقی کاوشیں کیا کروٹ لیتی ہیں ۔

نقشِ اول دیکھ آئے نقشِ ثانی دیکھنا

(۴۵)

کتاب: فلک نشیں لوگ (تذکرۂ رفتگاں)

مصنف: ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ

رابطہ فون: 048-3711717

اشاعت: 21 اپریل 2023ء

صفحات: 216

قیمت: 1000 روپے

ناشر: مثال پبلشرز فیصل آباد

رابطہ: 0300-6668284

عصرِ حاضر میں ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ دبستانِ سرگودھا کی معروف و متحرک ادبی شخصیت ہیں۔ تحقیق و تنقید کے شعبوں میں ان کا کردار مثالی رہا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک سو چھبیس سے زائد تصانیف منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اقبالیات کے حوالے سے بھی ان کا کام ناقابلِ فراموش اور نمایاں ہے۔ اس حوالے سے ان کی بہت سی تصانیف منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ان کا شمار دائیں بازو کے نمایاں اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔ وہ زبان و ادب کی خدمت کے ایک استعارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت معاصر اہلِ ادب کے لیے باعثِ تحریک ہے۔ ویسے تو ان کی تصانیف بہت سے خصائص کی حامل ہیں لیکن ایک چیز جس نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ یہ ہے کہ ان کے ہاں مثبت افکار کا فروغ مکمل وفور کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی تصانیف کے انتساب بھی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر نہیں گلدستہء اقوالِ زریں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

کتاب ہذا ''فلک نشیں لوگ'' ایک تذکرۂ رفتگاں ہے جس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے تناظر میں مضامین مرقوم ہیں جن میں تنوع کا رنگ فطری نوعیت کا

ہے۔ ان مضامین میں انہوں نے ادب و احترام کے تقاضوں کوملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ تہذیب و شائستگی کے دامن کوانہوں نے اپنے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ اس لیے اسے آپ بے لاگ تبصرہ نگاری قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان کے بیانیہ کینوس میں صرف محاسن نگاری ہے اور معائب نگاری نہیں ہے۔ بہرحال یہ کتاب اپنے تناظر کے اعتبار سے عمدگی کے تمام تر تناظرات خود میں سموئے ہوئے ہے۔ اس حوالے سے مصنف موصوف ہدیہءتبریک کے مستحق ہیں۔

''فلک نشیں لوگ'' میں پروفیسر ہارون الرشید تبسمؔ نے اڑھائی درجن سے زائد شخصیات کے حوالے سے تذکرہ نگاری کی ہے، جن کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

دخترِ پاکستان بشریٰ رحمٰن، محمد رفیق تارڑ، شاہد رشید، مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا قاری غلام عباس، بلقیس بانو ایدھی، پیر مختار احمد اختر، بقااللہ ثنائی، ڈاکٹر محمد رضوان، غلام الثقلین نقوی، ڈاکٹر وزیر آغا، شیخ انور گوئندی، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، میاں عبدالخالق، صوفی فقیر محمد، ائیر کموڈور ایم ایم عالم، ڈاکٹر اختر شمار، سید ممتاز اصغر ترمذی، مولانا اکرم طوفانی، ڈاکٹر ایوب صابر، میاں منظور احمد، بیگم اختر ریاض الدین، مرزا رفیق احمد ایڈووکیٹ، واحد حسین نشان، حضرت میاں محمد صادق قصوری، پروفیسر محمد منور مرزا، سید قاسم علی شاہ، مہناز عطا چودھری، امجد اسلام امجد، شوکت صدیقی۔

گوپی چند نارنگ کے حوالے سے ایک اقتباس نذرِ قارئین ہے جس سے ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ کے طرزِ تحریر کا تعین بہ حسن وخوبی کیا جا سکتا ہے جس سے ان کے فکری وفنی امکانات کی بازیافت سہل تر ہوسکتی ہے، نیز تحقیقی ادراکات کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

> ''گوپی چند نارنگ ایک صاحبِ نظر نقاد، ماہرِ لسانیات اور اچھے منتظم تھے۔ یہ کتاب ان کی تحقیقی وتنقیدی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔ کیونکہ تصورِ فن اور خصوصاً اقبال کے حوالے سے لکھنا آسان کام نہیں ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے فن کے لفظ کو نئے مفاہیم پہنائے اور نئے معانی عطا کیے۔ ان کے فن پر لکھنا سعیِ جگر دوز کا حامل ہے۔ اقبال کے فن پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ مثلاً شعریاتِ اقبال، اقبال

بحیثیت شاعر، شعرِ اقبال کا تذکرہ زیرِ مطالعہ کتاب میں موجود ہے۔ علامہ اقبال کا فن ایک بے کراں سمندر ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اس موضوع پر گوپی چند نارنگ کی کتاب ''اقبال کا فن'' اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں مختلف ادیبوں کے مقالات جو انہوں نے علامہ اقبال کے فن پر لکھے، خواہ وہ عروض پر ہوں یا اسلوب پر، علامات پر ہوں یا لفظیاتی نظام پر شامل ہیں۔''

(ص:98)

''فلک نشیں لوگ'' پروفیسر ہارون الرشید تبسمؔ کی تحقیقی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے جسے نہ فراموش کیا جاسکتا ہے اور نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ بھرپور انداز میں سراہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف ان عظیم سپوتوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے بلکہ انہیں اور اپنے آپ کو صفحۂ قرطاس پر امر کردیا ہے۔ اگر ان کی ریاضتیں یوں ہی محوِ ارتقا رہیں گی تو وہ یونہی ادبی منظر نامے پر نمایاں رہیں گے۔

(۴۶)

کتاب:	نگاہِ صداقت (شعری مجموعہ)
شاعر/مصنف:	رانا خالد محمود قیصرؔ
اشاعت:	2023ء
صفحات:	128
قیمت:	600روپے
ناشر:	الحمد پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0322-2830957

رانا خالد محمود قیصرؔ کافی عرصہ سے زبان وادب کی خدمت میں مصروف ومنہمک ہیں۔ نظم ونثر

دونوں شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے نظر آتے ہیں۔تادمِ تحریر ان کی ایک درجن سے زائد تصانیف زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1۔اذفرکون؟ 1993ء

2۔گلشنِ عقیدت 2001ء

3۔ہندسوں کے درمیاں 2016ء

4۔ادبی جمالیات 2018ء

5۔اربابِ قرطاس وقلم 2019ء

6۔امید سہارا دیتی ہے 2019ء

7۔مری جستجو مدینہ (حمد ونعت) 2019ء

8۔ہجر ناتمام 2021ء

9۔آگہی 2021ء

10۔حسن حمیدی؛احوال وآثار ترقی پسند تحریک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ 2021ء

11۔تخلیق حمد ونعت کی تعمیری تنقید 101 مجموعہ ہائے نعت کا تنقیدی مطالعہ 2023ء

12۔عصری ادب اور تنقیدی رویے 2023ء

13۔نگاہِ صداقت 2023ء

14۔پرکار 2023ء

''نگاہِ صداقت'' کے تاثرات نگاروں میں اکرم کنجاہی ،خیام العصر محسن اعظم محسن ملیح آبادی، پروفیسر سعید حسن قادری اور ڈاکٹر صدف تبسم شامل ہیں۔اس سے قبل کہ کتابِ مذکور کے حوالے سے تبصراتی وتجزیاتی خامہ فرسائی کی جائے،ان تاثرات نگاروں کے مختصر ومنتخب تاثرات کا جاننا بھی ناگزیر ہے۔

''نگاہِ صداقت'' میں شاعر نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اس تہذیبی رکھ رکھاؤ کی پاسداری کرتا دکھائی دیتا ہے ان کے ہاں حسن و جمال کے بیان میں میٹھا میٹھا

درد پایا جاتا ہے۔ اس مجموعے کی غزل میں محبتوں میں کچھ نہیں، بہت کچھ کھو دینے کی کسک بھی نمایاں ہے۔ مزید برآں رانا خالد محمود قیصرؔ کی غزل میں عصری آشوب کا درد بھی مترشح ہے۔ یہ آخرالذکر موضوع جس نے کلام کے فکری کینوس کو وسعت دی ہے، اس میں شاعر کی مشاہداتی قوت جوبن پر دکھائی دے رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس شعری مجموعے کے مطالعے سے قاری حظ اٹھائے گا۔''

(فلیپ ،اکرم کنجاہی)

''رانا خالد محمود قیصرؔ کا شعری مجموعہ ''نگاہِ صداقت'' کے نام سے غزلیات پر مشتمل ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ کلام کی غزلیات بھی ان کے دوسرے مجموعوں کی غزلیات سے مماثل ہیں۔ ایک ہی فکر و انداز قائم ہے۔ میں نے انہیں بنظرِ اصلاح بالاستیعاب پڑھا، جہاں ضرورت سمجھی ہے، تبدیلی اور اصلاح کی ہے۔ اس مجموعہء کلام پر بھی مقدمہ لکھنے کا اصرار ہے۔ ایک ہی اسلوب اور فکر و خیال کے بارے میں ان کے کئی مجموعوں پر مقدمہ لکھ چکا ہوں۔ نعتیہ و حمدیہ اور سلام و منقبت پر بھی انتقادی و تاثراتی اظہارِ خیال کیا ہے۔ میری نظر میں رانا خالد محمود قیصرؔ عہدِ حاضر کے اپنے ہم پلہ شعراء سے کچھ الگ نہیں۔ اس دور میں شاعری کا انداز جامد سا نظر آتا ہے۔ تمام شعراء ہی ایک جہتِ شاعری پر گامزن ہیں۔ شاعر موصوف بھی دوسرے معتبر اور مشہور شعراء سے کچھ جدا نہیں ہیں۔''

(''نگاہِ صداقت'' کے آئینہ خانے کا تاثراتی منظرنامہ، ازخیام العصر محسنِ اعظم محسن ملیح آبادی، ص:8)

''نگاہِ صداقت'' علامت بھی ہے، استعارہ بھی، اس میں عشق کا اضطرار بھی ہے، اضطراب بھی اور کسی کہی کے ساتھ ان کہی بھی۔ ''نگاہِ صداقت'' جہاں نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں، اقبال کے ہاں بھی نگاہِ مردِ مومن نگاہِ صداقت سے مستعار ہے۔''

(فلیپ، پروفیسر شاداب احسانی)

”زمانے کی بے حسی اور انسانی جذبات کا ایک امتزاج ہے جو ان کی غزل میں واضح نظر آتا ہے۔ بیاں سادہ اور عام فہم ہے۔ عہدِ حاضر میں روایتی لب و لہجے کے حامل شعراء کے ہاں لفظیات اور اسلوب کی جو یک رنگی پائی جاتی ہے، وہی اس مجموعے کا بھی خاص رنگ ہے۔“

(فلیپ، ڈاکٹر صدف تبسم)

مذکورہ تاثرات میں خیام العصر محسن اعظم محسن ملیح آبادی اور ڈاکٹر صدف تبسم کی رائے خصوصیت کی حامل ہے کیونکہ رانا خالد محمود قیصرؔ کے کلام کی قرات سے ان کے تاثرات کی تصدیق بہ حسن و خوبی ہو جاتی ہے۔

اس کتاب میں حمد و نعت، غزل و نظم، نثر لطیف اور قطعات و فردیات شامل ہیں۔ تناسب کے اعتبار سے غزل کو بالا دستی حاصل ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزل سے انہیں فطری لگاؤ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رانا خالد محمود قیصرؔ کے شعر کہنے کا انداز روایتی نوعیت کا ہے جو ایک طرح کا موضوعاتی و اسلوبیاتی حوالہ ہے لیکن ان کی پیش کش کا انداز ندرت آمیز ہے۔ جس میں حیرت و استعجاب بھی ہے، شدتِ احساس اور زورِ بیاں بھی ہے۔ وہ اہلِ دنیا کے معیارات کو نہ صرف زیرِ بحث لاتے ہیں بلکہ بڑے مہذب انداز میں ان کی مذمت بھی کرتے ہیں۔ ان کا انداز بڑا دھیما ہوتا ہے جو تہذیب و شائستگی، تہذیبی وضع داری اور تہذیبی رکھ رکھاؤ کا حامل ہے۔ اس اعتبار سے وہ دبستانِ دہلی سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ مزید برآں ان کے ہاں مثالیت و آفاقیت کی بازگشت بھی بڑے موثر انداز میں سنائی دیتی ہے۔ تخیلاتِ صادقہ کا بیان بڑے بلیغ انداز میں ملتا ہے جو ان کی حقیقت پسندی کی طرف مشیر ہے۔

رانا خالد محمود قیصرؔ کے فکری کینوس کا رومان ایک بھرپور حوالہ ہے جس میں خمریاتی تلازمات کا استخدام شعریت کی چاشنی کو دو آتشہ کر رہا ہے اور یوں ان کی اپنے قاری پر گرفت مضبوط ہوتی

ہوئی دکھائی دیتی ہے جس سے اپنائیت اور جاذبیت کے خصائص آشکار ہوتے ہیں۔ ان کی فکریات میں احساسِ خود پسندی کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ان کا پسندیدہ موضوع یہی ہے کہ انسان صرف معزز طریقے سے جینا چاہتا ہے۔ان کی رومانویت بھی ایک جمالیاتی احساس سے مربوط ہے۔ بہرحال ابھی انہیں فکروفن کی طرف مخلصانہ مراجعت مطلوب ہے۔فزوں تر ریاضت کے بعد ان کے سخن میں مزید بالیدگی کے آثار پیدا ہوں گے۔ دیدہ باید کہ مستقبل میں ان کا کلام کیا کروٹ لیتا ہے۔ اگر ان کی جانفشانی اور عرق ریزی کا یونہی تسلسل برقرار رہا تو ان کے بہتر شعری مستقبل کی نوید سنانا قرینِ فطرت ہے۔

رانا خالد محمود قیصرؔ کے مجموعہء کلام ''نگاہِ صداقت'' سے غزلیات کے منتخب اشعار بطور نمونہءکلام ہدیہء قارئین ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہم موکل کے خواستار ہیں۔

سارے دکھ سکھ سہہ سکتے ہو
پھر دل میں بھی رہ سکتے ہو
(ص:35)

اس لیے اپنا مرتبہ کم ہے
ہاتھ میں اپنے زر نہیں رکھتے
جن میں صدق و صفا نہیں قیصر
بات میں وہ اثر نہیں رکھتے
(ص:47)

پرکشش جو بناتا ہے سب کو
علم ہی وہ لباس ہوتا ہے
(ص:71)

بادۂ گل بدن ہی پیتا ہوں
کوئی بادہ میں پی نہیں سکتا

(ص:93)

بارہا اپنے آپ کو دیکھا
مجھ کو مجھ میں کوئی بدی نہ ملی

(ص:97)

رہے مصروف عمر بھر یارو
اپنی عزت کو ہم بچانے میں

(ص:99)

یہ مہک یوں ہی تو نہیں ہم میں
ہم قرین ایک گل بدن سے ہیں

(ص:102)

جو دکھ تم نے دیے ہیں میرے دل
کو
میں ان کی میزبانی کر رہا ہوں

(ص:114)

(۴۷)

کتاب: آسودگی (شعری مجموعہ)

شاعر/مصنف: ممتاز راشدؔ لاہوری

رابطہ فون: 0331-4387871

اشاعت: 2023ء

صفحات: 128

قیمت: 1100 روپے

ناشر: خیال وفن پبلشرز، لاہور

ممتاز راشدؔ لاہوری کی ادبی ریاضتوں کا دورانیہ چالیس سال سے بھی متجاوز ہے۔ ہمیں اولاً ان کا کلام ماہنامہ ''شاداب'' جو ڈاکٹر کنول فیروز کی ادارت میں لاہور سے چھپتا تھا، میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ سہ ماہی ''خیال وفن'' لاہور/ دوحہ کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ ان کا طباعتی و تصنیفی سفر 1982ء میں آغاز پذیر ہوا جو تا حال جاری وساری ہے۔ تادمِ تحریر ان کی اڑھائی درجن سے زائد تصانیف منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ وہ ایک زود گو شاعر اور زود نویس ادیب ہیں۔ ان کے ہاں معیار ومقدار کے دونوں تلازمات بہ حسن وخوبی پائے جاتے ہیں۔

ان کا شعری مجموعہ ''آسودگی'' جس میں ان کا اردو اور پنجابی کلام شامل ہے، بہت سے تنوعات کا حامل ہے۔ یہ تنوع موضوعاتی، لسانی اور ہیئتی نوعیت کا ہے جس میں اردو پنجابی غزلیات بھی ہیں اور نظمیات بھی ہیں۔ قطعات وفردیات بھی نہیں، ماہیے اور بولیاں بھی ہیں۔ مزید برآں اردو پنجابی کی نمکین غزلیات بھی ہیں جن میں طنز ومزاح کا عنصر پایا جاتا ہے۔ خوش آئند امر یہ بھی ہے کہ کتاب ہذا میں ہر نوع کی تقریظات اور تاثرات معدوم ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ مجموعہ انتہائی اعتماد کی فضا میں نذرِ قارئین کیا ہے۔

ممتاز راشدؔ لاہور کے شعری کینوس میں متنوع عصری رویے کارفرما ہیں جن میں ندرت و جدت کے پہلو نمایاں ہیں اور زندہ دلی کے امکانات ہیں۔ ان کی زندہ دلی عمیق رومانویت کو جنم دیتی ہے۔ وہ معاصر رویوں کو بڑے بے لاگ انداز میں پیش کرتے ہیں اور یہی بے تکلفی ان کے سخن کی جان ہے۔ ان کا پندارِ انا مضبوط و مستحکم نوعیت کا ہے جو ان کے پائیدار حصارِ ضبط کی علامت ہے۔ ان کے ہاں محبوب کی ادائے عشوہ وغمزہ طرازی کا بیان بھی بڑے دلچسپ انداز میں ملتا ہے۔ تنقیدی رویے ان کے شعری اظہاریے کی نمایاں خصوصیت ہیں۔

جذبۂ عشق ان کے سخن کا روح ورواں ہے۔ جس کی عظمت کے وہ بخوبی قائل نظر آتے ہیں۔ ان کے فحوائے بیاں میں محب ومحبوب کے حوالے سے ایک تقابلی مطالعے کی فضا بھی پائی

جاتی ہے۔ان کی شعریات میں ایک عمیق حسیاتی ونفسیاتی اور فلسفیانہ عمل کارگر ہے جس سے گہرائی و گیرائی کے خصائص آشکار ہوتے ہیں۔ یوں وہ پیمانۂ شعر کے توسط سے ترسیلِ ادراک کا کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک دائیں بازو کے شاعر ہیں۔ مثبت افکار و روایات اور اقدار کا فروغ ان کی ترجیحاتِ فکروفن میں شامل ہے۔

ممتاز راشدؔ لاہور کے مجموعہءکلام ''آسودگی'' سے ان کی اردو غزلیات کے منتخب اشعار بطور نمونہءکلام حسبِ ذیل ہیں۔

کوئی نالاں ہے کوئی دمساز ہے
ہر کسی کا منفرد انداز ہے
ہر کسی کی خوبیاں ہیں مختلف
کوئی خوش دل، کوئی خوش آواز ہے
اب نیا کنبہ ہے جو ہمسائے میں
ان کی اک بیٹی سراپا ناز ہے
(ص:16-17)

اب زمانہ ہے بے نقابی کا
اب یہ کیسی حجاب کی باتیں؟
(ص:19)

ملے گی بھیک میں عظمت جو مجھ کو
مجھے راشد وہ نامنظور ہو گی
(ص:25)

اس کے نینوں کاوار ہے کاری
جیسے تلوارکوئی دو دھاری
(ص:26)

آپ ہیں حسن بارگاہِ ناز
ہم ہیں پندارِ عشق و دلداری
(ص:27)

ان کو رہتی ہے بس یہی اک فکر
کس کے چہرے پہ خاک ملنی ہے
(ص:29)

انکسار میں ہے فسوں کاری
خاکساری مقامِ عظمت ہے
اس سے ہوتی ہے فکر کی تہذیب
شاعری بھی تو اک کرامت ہے
(ص:84)

علم و دانش کی لب کشائی پر
روشنی کا ظہور ہوتا ہے
وہی رکھتا ہے دوسروں کا خیال
جس کو اپنا شعور ہوتا ہے
(ص:87)

جب بھی ملتے ہیں مسکراتے ہیں
مفت کی نیکیاں کماتے ہیں
(ص:97)

یہ بات بڑے تیقن کے ساتھ کی جاسکتی ہے کہ اگر ممتاز راشدؔ لاہور کا فکری و فنی ارتقا اسی تواتر و تسلسل سے جاری و ساری رہا تو وہ جہانِ فکر و فن کے نئے ابواب وا کرنے میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے۔ اسی سلسلے میں انہیں خلوص و ریاضت اور لگن کے عناصرِ ثلاثہ پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔

پھر کہیں جا کر ان کے روشن ادبی مستقبل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

(۴۸)

کتاب:	ایک ممتاز مقام پر متمکن ادیب و شاعر ممتاز راشدؔ لاہوری
تنقید نگار:	شاعر علی شاعرؔ
اشاعت:	ستمبر 2023ء
صفحات:	112
قیمت:	1500 روپے
ناشر:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0345-2610434

شاعر علی شاعرؔ کی یہ تصنیف ممتاز راشدؔ لاہور کے فکر و فن کے ایک اعتراف کا درجہ رکھتی ہے جس کے حوالے سے مصنف مذکور رقم طراز ہیں۔

''ممتاز راشدؔ لاہوری پر میری مرتب کردہ کتاب ''ایک ممتاز مقام پر متمکن ادیب و شاعر ممتاز راشدؔ لاہوری'' میں ان کا نمونہ کلام بھی ہے اور نثری ادب کی مثالیں بھی، مشاہیرِ اردو ادب کی مثبت آراء بھی ہیں اور ان کی نگارشات پر گواہیاں بھی، کسی بھی شاعر، ادیب، ناقد، طالب علم اور قاری کو اس کتاب کا مطالعہ ممتاز راشدؔ لاہور سے مکمل طور پر ملوا دے گا اور قاری پر یہ کتاب ممتاز راشدؔ لاہور کے فن و ہنر اور اعلیٰ شخصیت کو بھرپور انداز سے اجاگر کردے گی۔''

(پیش لفظ، ص:5)

اس کتاب میں شاعر علی شاعرؔ کا ایک طویل مضمون ہے جو کتاب مذکور کے عنوان سے معنون ہے جس میں ممتاز راشدؔ لاہور کی ادبی خدمات کے حوالے سے تفصیل سے لکھا گیا ہے اور ان کے

کلام سے استشہادات واستخراجات پیش کی گئی ہیں۔ ''لاہور کی فعال ترین ادبی تنظیم ادارۂ خیال و فن'' کے عنوان سے تمثیلہ لطیف کی تحریر بھی شامل کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں شاعرعلی شاعرؔ کی کتاب ''تنقیدی ہالے'' جو تنقیدی مضامین اور مختصر اظہارِ خیال پر مبنی ہے، کے بارے میں سینئر قلم کاروں کی آراء کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ نیز امجد اسلام امجد کے تاثرات جو ممتاز راشدؔ لاہور کی شعری کیفیات کے حوالے سے ہیں، بھی شاملِ کتاب ہیں۔ اس کے بعد ممتاز راشدؔ لاہوری کے منتخب کلام کو بطور نمونہ ءکلام پیش کیا گیا ہے جس میں غزلیات ونظمیات اور رباعیات وفردیات بھی شامل ہیں۔

اس کتاب کے حوالے سے جاوید رسول جوہر کی رائے ملاحظہ کریں جو اس کتاب کے بیک ٹائٹل کا حصہ ہے۔

> ''شاعرعلی شاعرؔ نے یوں تو سو سے زائد قدآور ادبی شخصیات پر بھرپور تنقیدی مضامین لکھے ہیں جو ان کی تازہ تصنیف اردو غزل کی روایت میں یکجا ہو رہے ہیں مگر ادبی شخصیات میں گستاخ بخاری، عبدالمجید چھٹہ اور غلام حسین ساجد کے بعد ممتاز راشدؔ لاہور پر مکمل کتاب منظر عام پر آ رہی ہے جس میں ممتاز راشدؔ لاہوری کی تخلیقات کے نمونے اور ان پر مشاہیرِ اردو ادب کی آراء کو شامل کیا گیا ہے۔ ممتاز راشدؔ لاہوری کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ دنیائے اردو ادب میں ان کی تخلیقاتِ نظم ونثر زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر اپنے حصے کی داد وتحسین وصول اور ممتاز راشدؔ لاہور کا ادب میں مقام ومرتبہ متعین کر چکی ہیں۔ شاعرعلی شاعرؔ نے ان کے نام اور کلام کو سندھ کی سطح پر شائع کر کے اپنی ادب دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پیشِ نظر کتاب ممتاز راشدؔ لاہوری اور شاعرعلی شاعرؔ کے کریڈٹ میں اضافہ ثابت ہوگی۔''

امید ہے کہ کتاب ہذا ممتاز راشدؔ لاہوری کے فکری وفنی اور تخلیقی ارتقا میں سنگِ میل ثابت ہو گی۔

(۴۹)

کتاب: بالڑیاں تے بالاں دے رسولؐ (پنجابی سیرتِ رسولؐ)

مصنف: حسن مجید چٹھہ

اشاعت: دسمبر 2023ء

صفحات: 152

قیمت: 600روپے

ناشر: سکوپ پبلی کیشنز، لاہور

بفضلِ تعالیٰ دنیا کی بیشتر زبانوں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کام ہو چکا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادہ سے زیادہ کام کیا جائے تا کہ اس کے برکات و فیوض سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔کتاب ہذا بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔کتاب کے مصنف حسن مجید چٹھہ ایک ممتاز عالمِ دین ہیں اور وسیع تر مذہبی ادراکات کے حامل ہیں۔اگر اس کتاب کے مشمولات ملاحظہ کریں تو مصنف مذکور نے 126 عنوانات پر کام کیا ہے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بیشتر شعبوں کو مس کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب کی تیاری کے حوالے سے قرآنی و احادیثی مصادر و مراجع اور ماخذات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ان کا اندازِ بیاں انتہائی سادہ اور سلیس ہے کہ اس کتاب کی قرأت سے ہر ذہنی سطح کا قاری اور ہر مکتبِ فکر کا فرد استفادہ کر سکتا ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ستودہ صفات کو سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اہلِ بیتؑ اور صحابہ کرام اجمعین کی سیرت کے حوالے سے بھی خاطر خواہ جانکاری ملتی ہے۔امید ہے کہ حسن مجید چٹھہ کی یہ کتاب ان کے لیے توشہء دنیا و عقبیٰ ٹھہرے گی اور ان کا سفرِ دارین سہل سے سہل تر ہو گا۔ان کے لیے کامیابیوں کے مزید امکانات پیدا ہوں گے۔ان کی اس کاوش سے دیگر اہلِ قلم کو بھی تحریک و ترغیب ملے گی۔اللہ تعالیٰ سے استدعا ہے کہ انہیں اس حوالے سے توفیقاتِ مزید سے نوازے۔آمین

(۵۰)

کتاب: شاکر نظامی ایک کہانی (شخصیت اور فن)

مصنف: ڈاکٹر ہارون رشید تبسم

رابطہ فون: 048-3711717

اشاعت: یکم اپریل 2023ء (برموقع سالگرہ)

صفحات: 160

قیمت: 800 روپے

ناشر: مثال پبلشرز فیصل آباد

رابطہ: 0300-6668284

شاکر نظامی ایک معروف صحافتی و ادبی شخصیت تھے جن کی ادب و صحافت کے شعبوں میں ناقابلِ فراموش خدمات ہیں۔ اس کتاب میں ان کی سوانح اور تصانیف پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے مندرجات حسبِ ذیل ہیں۔

شاکر نظامی (سوانحی تعارف)

تصانیف

1۔ نوائے دل (شعری مجموعہ) 1969ء

2۔ تابِ ذوالفقار (مختلف شخصیات کے حوالے سے مضامین) 1976ء

3۔ حسنِ تمنا (شعری مجموعہ) 1978ء

4۔ کسی اور کے لیے (شعری مجموعہ) 2011ء

5۔ آئینۂ عقیدت (حمد و نعت، منقبت و سلام) 2015ء

6۔ حسنِ نظر (شاعری، شخصی و موضوعاتی نظمیں) 2018ء

7۔ آنکھ کے جزیرے میں (شاعری، حمد و نعت، غزل) 2018ء

پروفیسر ہارون الرشید تبسم کی یہ کتاب شاکر نظامی کی حیات و خدمات کی مکمل جانکاری سے منسوب ہے۔ مصنف مذکور نے اپنے ممدوحِ گرامی کی تصانیف کے حوالے سے مکمل تفاصیل مہیا کی ہیں۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ کتاب شاکر نظامی کا آئینہء حیات و خدمات ہے اور اس حوالے سے سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

(۵۱)

کتاب: ساڈا سوہنا پاکستان (پنجابی)

مصنف: ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

اشاعت: 23 مارچ 2023ء

صفحات: 276

قیمت: 1000 روپے

ناشر: مثال پبلی کیشنز، فیصل آباد

رابطہ: 0300-6668284

پروفیسر ہارون الرشید تبسم ایک وسیع الجہات اور کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ ان کا یہ علمی و ادبی سرمایہ مختلف و متنوع موضوعات پر محیط ہے۔ کتاب ہذا بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مصنف مذکور نے جہاں اپنی قومی زبان اردو میں بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں، وہاں اپنی مادری زبان پنجابی کو بھی فراموش نہیں رکھا۔

کتاب ہذا پاکستان کے حوالے سے وسیع تر موضوعات کی حامل ہے۔ اس کے مشمولات میں چوالیس عنوانات شامل ہیں جن کے لیے انشائیہ طرزِ تحریر اختیار کیا گیا ہے اور تفصیلی جانکاری سے کام لیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت پاکستان کوئیز سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ معروضی اور سوالاً جواباً انداز نہیں اختیار کیا گیا۔ گویا کتاب ہذا فصاحت و بلاغت کے تمام تر تقاضے بہ حسن و خوبی

پورے کرتی ہے۔

مزید برآں ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم کی دیش بھگتی کا بھی معتبر حوالہ ہے۔ جہاں وہ حب الوطنی کی تمام تر مقتضیات سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

اس کتاب کی اتنی اہمیت ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسے تاریخِ پاکستان یا مطالعہء پاکستان کی نسبت سے کسی نہ کسی جماعت کے نصاب کا حصہ ضرور ہونا چاہیے تاکہ ہماری آمدہ نسلیں اپنے قومی ورثے سے مکمل طور پر آشنا ہو سکیں اور اس کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی صحیح معنوں میں حفاظت کر سکیں۔

(۵۲)

کتاب: میزانِ کتب
(تبصراتِ کتب)

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

اشاعت: 10 جنوری 2023ء

صفحات: 232

قیمت: 1000 روپے

ناشر: مثال پبلشرز، فیصل آباد

رابطہ: 0300-6668284

کتاب ہذا میں مصنف مذکور نے انیس مختلف النوع ادبی تصانیف پر تبصرے رقم کیے ہیں اور تحقیقی تلازمات کو کسی نہ کسی حد تک بروئے کار لائے ہیں۔ کتاب کا ضابطے کا صفحہ مکمل فہرست اور تاثرات بھی منقول ہیں۔

درج ذیل مصنفین اور کتب کو انہوں نے شاملِ کتاب کیا ہے۔

1۔محمد سعید احمد بدر قادری۔سجدۂ شوق (حمد و نعت)

2۔طارق عزیز۔داستاں

3۔ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش۔اشارے (تنقیدی مضامین وتبصرے)

4۔ڈاکٹر خرم الطاف۔جانِ شوریدہ (شعری مجموعہ)

5۔ڈاکٹر بدر منیر۔متفرقات

6۔ڈاکٹر آصف ریاض قدیر۔ریاضِ سخن

7۔ڈاکٹر محسن مگھیانہ۔اُپائے (افسانچے)

8۔گل بخشالوی۔جانِ تغزل

9۔سعدیہ ہما شیخ ایڈووکیٹ۔وصل میں تشنگی (شاعری)

10۔مہر محمد بخش نول۔تاریخ مخزنِ پاکستان (حصہ اول)

11۔جمیل اطہر قاضی۔ایک عہد کی سرگزشت (1947ء تا 2022ء)

12۔پروفیسر تفاخر محمود گوندل۔اقبال اور اصحابِ رسولؐ

13۔جاوید اختر بھٹی۔خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری

14۔شاہدہ لطیف۔میں پاکستانی ہوں (شاعری)

15۔اکرم آزاد۔زندگی کتنا سفر باقی ہے

16۔محمد مشرف حسین انجم۔بکھری ہے تیری خوشبو

17۔پروفیسر سید شبیر حسین شاہ زاہد۔نعتِ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

18۔پروین سجل۔رفو (شاعری)

19۔ڈاکٹر چوہدری تنویر سرور۔قلم اور کتاب

پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم نے مختلف کتب پر جامع تبصرات رقم کر کے کتاب بینی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اپنی کتاب دوستی کا ثبوت بھی دیا ہے۔امید ہے کہ ان کا یہ کام تاریخِ ادب کا حصہ قرار پائے گا۔

(۵۳)

کتاب: محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وفا

شرح: نظم ''شکوہ'' اور نظم ''جوابِ شکوہ'' ساتھ ساتھ (بانگِ درا)

شاعر: شاعرِ مشرق حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

شارح: ڈاکٹر عابد جاوید خان شیروانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

اشاعت: نومبر 2023ء

صفحات: 384

قیمت: 1000 روپے

ناشر: الناشر پریس

رابطہ: 0333-3516169 0300-2505209

اقبالیات کا شمار دنیائے ادب کے بڑے اور معتبر شعبوں میں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے فزوں تر کام ہو چکا ہے اور فزوں تر کرنے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ ملت وقوم کے لیے یہ ایک ذہنی بیداری کا موثر ذریعہ ہے۔ کتاب ہذا میں اقبال کی مشہورِ زمانہ نظم ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' نیز ان کے مجموعہء کلام ''بانگِ درا'' کی شرح بھی پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب کے تاثرات نگاروں ڈاکٹر معین الدین عقیل، محمود شام، مسلم شمیم، پروفیسر خیال آفاقی، انشاء پروفیسر رئیس صدانی، افضل رضوی اور رانا خالد محمود قیصرؔ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان تمام تاثرات نگاروں نے ڈاکٹر عابد جاوید خان شیروانی کے تحقیقی وانتقادی گوشوں کو آشکار کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے۔

کتاب ہذا میں شارح مذکور نے سہل وشستہ اسلوب اختیار کر کے مدعا نگاری کا حسین قرینہ نبھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ذہنی سطح کے قاری کے لیے یہ کتاب یکساں اکتسابِ فیض کا ساماں رکھتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ کام ملت اور قوم کے لیے ایک بہت بڑی خدمت ہے جس کی اہمیت وافادیت ہر دور میں محسوس کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے حوالے سے اسی

نوعیت کا فزوں تر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر عابد جاوید خان شیروانی نے اس کتاب کے توسط سے اقبال فہمی کے مزید آفاق و اعماق کے ابواب وا کر دیے ہیں جن سے مزید امکانات کی بازیافت کا عمل سہل تر ہو جائے گا۔گویا انھوں نے دیگر اہلِ قلم کو بھی تحریک دی ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

(۵۴)

کتاب: عکسِ اذہان

شاعر/مصنف: رانا خالد محمود قیصرؔ

رابطہ فون: 0305-3426334

اشاعت: 2023ء

صفحات: 126

قیمت: 400روپے

ناشر: الحمد پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0322-2830957

رانا خالد محمود قیصرؔ ایک ہمہ وقتی شاعر و ادیب ہیں۔ وہ نظم و نثر دونوں شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا چکے ہیں۔اس حوالے سے ایک درجن سے زائد تصانیف زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہیں۔کتاب ہذا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے،جس میں مضامین و تبصرات شامل ہیں،جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

1۔''انتظار کا موسم'' کے شاعر رشید خان رشید

2۔عشرت رومانی؛ رجائیت و ندرت کا شاعر

3۔تصویری سفرنامہ، کراچی ٹو شوگران

4۔شاہنواز فاروقی کا ''طوافِ عشق''

5۔چاند میرا صنم سے چاند کی چاندنی تک

6۔دھوپ میں جلتے خواب؛ نغمانہ شیخ کے افسانے

7۔امکان وگمان سے آگے کا شاعر؛ صدیق راز

8۔حنیف عابد کے ''جگمگ تارے''

9۔شاہ عبدالعلیم آسی کا رنگِ سخن

10۔محمد علی منظر کا ''خوابِ تمنا'' عصرِ رواں کی کامیاب شاعری

11۔''فاصلہ'' ناز مظفر آبادی کا ساتواں شعری مجموعہ

12۔''پرچھائیں'' اور ''عکس'' ایک تجزیاتی مطالعہ

13۔''جانِ پرسوز'' ڈاکٹر محمد محسن علی آرزو کا پہلا شعری مجموعہ

14۔یوسف چشتی کا ''درِ جاناں کہاں تک ہے''

15۔''ہلالی کنگن'' افسانوی دنیا کا معتبر انداز

16۔دنیائے اردو ادب کی پہلی حمد یہ قصیدہ نگار حمیدہ کشش

17۔لحاف سے لال رضائی تک

18۔اصغر مہدی نظمی ''بہرائچ کا نگینہ'' زندہ جذبوں کا شاعر

19۔خیالات منظوم کرنے پر قادر، قادر بخش سومرو

20۔آئینہ دل میرا؛ انیس جعفری

21۔اردو غزل کا مسلسل ارتقا

22۔''آتش دان میں خواب'' سحر تاب رومانی

23۔جام فدا حسین بھیٹ، کراچی کا آشوب اور اردو افسانہ

کتاب ہذا کی بڑی خوبی اور خوش آئند امر یہ ہے کہ ہر قسم کی تقریظات و تاثرات سے مبرا و ماورا ہے۔ گویا خالد محمد قیصر کا کام خود میں ایک مکمل اعتماد کی فضا سموئے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں

داخلی و خارجی امکانات حسن توازن کے پیرائے میں ملتے ہیں۔ ان کے فحوائے بیاں میں معروضیت و معقولیت اور منطقیت پائی جاتی ہے۔ان کا پیرائیہ اظہار تاثیرات کی فزوں تر کیفیات سے مالا مال ہے۔مثبت افکار کا فروغ ان کی ترجیحاتِ فکر و فن میں شامل ہے۔ وہ ایک دائیں بازو کے محقق و نقاد اور شاعر و ادیب ہیں۔ ملت وقوم ان کے لیے درجہء اختصاص کی حامل ہے۔ وہ نظریہء ادب برائے ادب اور نظریہء ادب برائے زندگی دونوں کے متوازن انداز میں قائل ہیں۔ کسی نوع کی افراط وتفریط کے روا دار نہیں ہیں۔ یہی خصائص ان کی تحقیقی وتنقیدی اور شعری خامہ فرسائیوں کی داستاں رقم کرتے ہیں۔ان کے موضوعاتی تنوعات انہیں معراجِ انفرادیت بخشتے ہیں اور یہی ان کی فکری وفنی چابکدستی کی مبینہ دلیل بھی ہے۔ ربِ ادب سے استدعا ہے کہ انہیں تحقیق و تنقید اور تخلیق کے شعبوں میں مزید کامیابیوں سے ہم کنار کرے۔آمین

(۵۵)

کتاب: سیدنا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نعتیہ مجموعہ)

شاعر/مصنف: عبدالمجید چٹھہ

اشاعت: جولائی 2023ء

صفحات: 222

ناشر: دھنک پبلی کیشنز، لاہور

نعت نگاری کی شاندار شعری روایت سے بہت سے مسلم وغیر مسلم شعرا وشاعرات وابستہ ہیں۔ان میں عبدالمجید چٹھہ کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ہر کسی کے حصے میں نہیں آتی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

زیرِ تبصرہ کتاب بھی ان کا ایک نعتیہ مجموعہ ہے جس کے تاثرات نگاروں میں نسیم سحر، کرامت بخاری اور افضل پارس کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان کی حمد و نعت اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے متعدد کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

عبدالمجید چٹھہ کی نعت وفورِ عقیدت و الفت کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ ان کا طرزِ اظہار نہایت عاجزانہ و مودبانہ ہے۔ ان کی نعت کا وصفِ خاص یہ ہے کہ وہ غلو سے مبرا و ماورا ہے اور حقیقت پسندی کی آئینہ دار ہے۔

حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دنیا و عقبیٰ کے مصائب و آلام سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ زندگی اور بندگی کے تلازمات کا تعلق ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نعتیہ کینوس میں صنعتِ تلمیح کا نہایت عمدہ استخدام کیا ہے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراپا رحمت خیال کرتے ہیں اور ان کا جود و سخا کا عالم مخلوقاتِ عالم پر محیط ہے۔ انسانیت اور مخلوقِ خدا کا احترام صرف انہی کی ذاتِ ستودہ صفات سے منسوب ہے۔ وہ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت کو لازم و ملزوم خیال کرتے ہیں۔ ان کی نعت خود میں تمام تر اصلاحی و فلاحی پہلو خود میں سموئے ہوئے ہے۔ یہ تمام تر استخراجات ان کی نعت سے عبارت ہیں جو ان کی نعت کی مقبولیت کی عمدہ دلیل ہیں۔

اب ان کے مجموعۂ مذکور سے کچھ منتخب اشعار ہدیۂ قارئین ہیں۔

میں پلکوں سے چلوں گا جانبِ بطحا سنو لوگو
ہمیشہ کی طرح یہ سلسلہ انؐ سے عطا ہو گا

(ص:16)

ہم کو حصولِ رزق کا خدشہ نہیں رہا
ہم ہیں موجود آپؐ سے قام ہیں یا نبیؐ

(ص:18)

بہتر ہوئی ہے زندگی صدقے حضورؐ کے
سیکھی ہے ہم نے بندگی صدقے حضورؐ کے
(ص:22)

نعمت ہے میرے واسطے رحمت حضورؐ کی
لکھتا رہوں میں عمر بھر مدحت حضورؐ کی
(ص:24)

ہر سمت بہاریں ہیں چمن مہکے ہوئے ہیں
روشن ہے زمیں نقشِ کفِ کی ضیا سے
(ص:33)

آپؐ کی رحمت کا سایہ مفلس و نادار پر
پوچھتے ہرگز نہیں ہیں کیا تری اوقات ہے
(ص:38)

یارب ترے وجود کی تصدیق ہو گئی
شبنم بھی ناز کرتی ہے اپنے نزول پر
(ص:44)

ان کی نعت خلوص وعقیدت کا ایک معتبر حوالہ ہے جس سے حبِ رسول کی کرنیں ضو پاشیاں کر رہی ہیں۔جن سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید جولانی میسر آتی ہے۔ان کا نعتیہ کینوس صفاتی و ادارکاتی نوعیت کا ہے۔گویا ان کی نعت سچے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبات سے عبارت ہے۔

ان کے بارے یہ بات بڑے تیقن سے کی جا سکتی ہے کہ اگر وہ اگر نعت نگاری کی خدمت اسی تواتر اور تسلسل سے کرتے رہے تو وہ یقیناً ایک دن نعت گوئی کے ایک معتبر حوالے کا استحقاق پائیں گے۔

(۵۶)

کتاب: پرکار (شعری مجموعہ)

شاعر/مصنف: رانا خالد محمود قیصرؔ

اشاعت: 2023ء

صفحات: 160

قیمت: 400روپے

ناشر: الحمد پبلی کیشنز، کراچی

رابطہ: 0322-2830957

رانا خالد محمود قیصرؔ ایک زود گو شاعر ہیں اور ایک تواتر سے مشقِ سخن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ شاید اسی میں ہی ان کی طمانیت کا ساماں موجود ہے۔ اس کتاب کی تحریک بقول ان کے انھیں شاعر علی شاعرؔ کے شعری مجموعہ ''ایک بحر سو غزلیں'' سے ہوئی۔ یوں وہ ایک کارِ مشکل کر گزرے۔ اس کتاب میں شامل تمام تر غزلیں بحر خفیف مسدس سالم مخبون محذوف میں کہی گئی ہیں جن کے عراض ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلن ہیں۔ اس بحر کے چونکہ تمام تر ارکان ہلکے ہیں، اس لیے اسے بحرِ خفیف کہا جاتا ہے۔

اس کتاب کے تاثرات نگاروں میں محسنِ اعظم محسن ملیح آبادی، ظفر محمد خان ظفر، پروفیسر سعید حسن قادری، پروفیسر شاداب احسانی اور ناز مظفر آبادی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

رومان رانا خالد محمود قیصرؔ کی شاعری کا ایک معتبر حوالہ ہے جس میں اپنائیت اور جاذبیت کے خصائص بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ان کے شعری کینوس میں متنوع رویے کارفرما ہیں۔ متضاد موضوعات ان کے سخن کا نکتہء اختصاص ہیں۔ وہ ایک روایت پسند شاعر ہیں اور روایت پر جان چھڑکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شعریات میں مختلف صنائع و بدائع کا استخدام بہ حسن و خوبی کیا ہے۔ ان کے ہاں ایسے موضوعات بھی ہیں جو کم ہی کسی شعری پیمانے کا حصہ بنے ہوں گے۔ وہ زندگی

سے والہانہ پیار کرتے ہیں اور اس کے مصائب و آلام کا مقابلہ مردانہ وار کرتے ہیں۔ ان کے فکری کینوس میں تخیلاتِ صادقہ کو فروغ حاصل ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک حقیقت پسند شاعر ہیں۔ وہ سماج کے ناہموار رویوں کی عکاسی کے حوالے سے یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں تنقیدی رویے وفور سے پائے جاتے ہیں۔ ان کے شعری اظہاریے میں داخلیت کی استشہادات بڑی عمدگی کے پیرائے میں ملتی ہیں۔ ان کے سخن میں مثالیت اور آفاقی اقدار و روایات کے خصائص بدرجہ اولیٰ کارگر ہیں۔ گویا وہ نظریہء ادب برائے زندگی کے زبردست حامی ہیں۔ ان کے آدرش میں عزم و حوصلے کی ایک نئی داستان ملتی ہے۔ جس سے قاری کے شریر کو شکتی ملتی ہے۔ یوں ان کے ہاں امید ورجا کے امکانات ضو پاشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

رانا خالد محمود قیصرؔ کے مجموعہ کلام ''پرکار'' سے کچھ شعری استشہادات بطور نمونہء کلام حسبِ ذیل ہیں۔

جو حقارت سے تو نے بخشا تھا
وہی کہنہ لباس ہے اب تک
وصل نے جو ترے عطا کی ہے
وہ خوشی میرے پاس ہے اب تک
(ص: 36-37)

نانی اماں نے جو سنائی تھیں
یاد ہیں وہ کہانیاں اب بھی
مفلسی میں بھی چاہتے ہیں لوگ
پہلے سی مہربانیاں اب بھی
(ص: 38-39)

یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ رانا خالد محمود قیصرؔ جہانِ تخلیق میں اسی طرح اپنی کشیدِ جاں کے جواہر لٹاتے رہے تو وہ یونہی عصری شعری منظر نامے پر نمایاں رہیں گے۔

(۵۷)

کتاب: کتاب گھر (تبصراتِ کتب)

شاعر/مصنف: پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ

رابطہ فون: 048-3711717

اشاعت: 15 جولائی 2023ء

صفحات: 180

قیمت: 800 روپے

ناشر: مثال پبلشرز، فیصل آباد

رابطہ: 0300-6668284

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ دنیائے ادب کا ایک معتبر نام ہے۔اس کتاب میں انہوں نے تیئس ادبی شخصیات کی تصنیفات پر سیر حاصل تبصرات کیے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ڈاکٹر محمد وسیم انجم۔اپنا گھر

2۔ڈاکٹر محمد عارف خان۔ برہان احمد فاروقی؛ حیات وافکار

3۔ پروفیسر فائزہ احسان صدیقی۔تعلیم الفائزوں

4۔محمد یعقوب فردوسی۔عشق دھمال

5۔اکرم کنجاہی۔ مابعد جدیدیت اور چند معاصر متغزلین

6۔ریاض ندیم نیازی۔کلیاتِ محسن کاکوری

7۔ریاض ندیم نیازی۔آئینوں کے شہر میں

8۔ریاض ندیم نیازی۔ جب سے بچھڑے ہیں

9۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن۔افسانوی نثر پر تحقیق

10۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن۔تنقیدی وتخلیقی ستارے

11۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن ۔اردو میں سوانحی حقیقت

12۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن ۔غیر افسانوی نظر پر تحقیق

13۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن ۔اردو شاعری پر تحقیق

14۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن ۔عطاالحق قاسمی،شگفتہ مسافر

15۔ڈاکٹر سکندر حیات میکن ۔تحریکات و تنقیدات پر تحقیق

16۔سید مسعود اعجاز ۔حریمِ جاں

17۔ممتاز راشدؔ لاہوری۔لاہوری ٹپے

18۔زاہد رشید۔اللہ اکبر(حمد و مناجات)

19۔امجد حمید محسن۔ مدحتِ سردارِ جنت

20۔امجد حمید محسن۔تلاوتِ نعت

21۔عابد حسین قریشی۔عدل بینی

22۔نوشاد عثمان ۔تمام موسم خزاں کا موسم

23۔نسیم سحر۔رہ نوردِ شوق

پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ نے کسی بھی کتاب کے تبصراتی کینوس میں کتاب کے ضابطے کا صفحہ، مکمل فہرست، تاثرات اور مزید برآں اپنا تحقیقی و انتقادی تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ یوں وہ کتاب کے حوالے سے مکمل تحقیقی اور تجزیاتی تلازمات بروئے کار لا پائے ہیں۔تبصراتی حوالے سے ان کی طبع شدہ کتب فروغِ ادب کا ایک معتبر حوالہ ہیں اور ارتقائے ادب میں ایک سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔انہوں نے اپنے اسلوب میں سہل و شستہ نگاری کے تمام تر تقاضے بہ حسن و خوبی نبھائے ہیں اور فصاحت و بلاغت کی تمام تر مقتضیات سے بہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ فردائی ادوار میں بھی ان کتب کی تحقیقی و تنقیدی اہمیت میں اضافہ ہوگا۔ نہ صرف ان کتب کو بغور پڑھا جائے گا بلکہ بھرپور انداز میں سراہا بھی جائے گا۔محققین و ناقدین،مورخین اور خصوصاً تحقیق و تنقید سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسمؔ کی یہ تصنیفات

کسی نعمتِ غیر مترقبہ اور خوانِ یغما سے کم نہیں۔ امید ہے کہ وہ اس طرح اپنی کشیدِ جاں کے جواہر لٹاتے رہیں گے اور یونہی قرطاسِ ادب پر اپنے آپ کو اور اہلِ ادب کو امر کرتے رہیں گے۔

(۵۸)

کتاب:	عصری ادب اور تنقیدی رویے (مضامین وتبصرات)
مصنف:	رانا خالد محمود قیصرؔ
رابطہ فون:	021-34594673
اشاعت:	2023ء
صفحات:	128
قیمت:	500 روپے
ناشر:	الحمد پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ:	0322-2830957

رانا خالد محمود قیصرؔ نہ صرف ایک متحرک ادبی شخصیت ہیں بلکہ خدمتِ ادب کا ایک معتبر حوالہ بھی ہیں۔ کتاب ہذا ان کی تحقیقی وتنقیدی کاوشوں کا حاصل ہے۔ اس کتاب کے تاثرات نگاروں میں ڈاکٹر ظفر محمد خان ظفر، پروفیسر سعید حسن قادری اور اکرم کنجاہی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

کتاب کے مشمولات حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ اردو نعت گوئی میں تنقیدی رجحانات

2۔ ناصر زیدی؛ زندہ جذبوں کا شاعر

3۔ حفیظ ہوشیار پوری

4۔ رئیس المتغزلین؛ حسرت موہانی

5۔ فطرت کا نقاش شاعر؛ ڈاکٹر شاداب احسانی

6۔ہم نغمہ سرا کچھ غزلوں کے؛ اطہر نفیس کی اکتالیسویں برسی پر

7۔بیسوی صدی کا معتبر نقاد؛ ڈاکٹر فرمان فتح پوری

8۔حقیقت پسند اور جرأت مند شاعر؛ نکہت بریلوی

9۔اردو سندھی ادب؛ ساتھ ساتھ

10۔نثر نگاری یا شعر گوئی کوئی آسان کام نہیں ہے

11۔امیر مینائی

12۔ پروین شاعر کے بعد

13۔فیض احمد فیض رومان پسندی سے ترقی پسندی تک

14۔ڈاکٹر تنویر انور خان کے افسانوی مجموعے ''بے قیمت'' کا ایک مطالعہ

15۔شعری روایات کے امین؛ شاداب احسانی

16۔اردو غزل کا سفرِ مسلسل

17۔ پاکستانی بیانیہ کی رجحان سازی

18۔ مابعد جدیدیت دور کا معتبر شاعر؛ شاداب احسانی

19۔کاملیت ،پختگی اور کلاسیکیت

20۔ممتاز شاعر، صحافی، مترجم، ناول نگار، صبا اکبر آبادی

21۔ذکرِ فیض، فکرِ فیض

22۔کالم پارے، مشعلِ راہ

رانا خالد محمود قیصؔر ایک بالیدہ فکر محقق و نقاد ہیں۔وہ جہانِ ادب کی جدیدیت کے قائل ہیں۔ وہاں کلاسیکیت ، کاملیت اور پختگی کے بھی معترف نظر آتے ہیں۔یہی داخلی و خارجی عوامل ان کی تنقیدات میں پورے وفور اور کروفر سے نمایاں ہیں۔کیونکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ ادب کا فروغ و ارتقا چاہتے ہیں۔اس لیے اسے روح کی ریاضت گردانتے ہیں۔انہوں نے اپنے لیل و نہار کا مصرف خدمتِ ادب کو قرار دیا ہے۔وہ ایک بھرپور اور متحرک ادبی شخصیت کے طور پر

سامنے آئے ہیں۔ ان کی شعری اور تحقیقی وانتقادی تصانیف بڑی سرعت کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو رہی ہیں۔ وہ ایک درویش منش انسان ہیں۔ اس لیے وہ مادیت کی فسوں کاری سے محفوظ و مامون ہیں۔ ہر طرح کے دنیاوی لوبھ اور لالچ سے مبرا و ماورا ہیں۔ وہ تحقیق و تنقید کے جہاں روایتی طریقہ ہائے کار پر عمل پیرا ہیں، وہاں ان کے ہاں جدیدیت کے امکانات بھی فزوں تر ہیں۔ اگر ان کا تحقیقی وتنقیدی ارتقا اسی تواتر و تسلسل سے جاری و ساری رہا و وہ اس تناظر میں ایک معتبر حوالے کا استحقاق پائیں گے۔

تمت بالخیر

شبیر ناقدؔ کی گراں قدر تخلیقی تصانیف

۱۔صلیبِ شعور (غزلیات و نظمیات)	۲۰۰۷ء
۲۔من دی مسجد (سرائیکی شاعری)	۲۰۱۰ء
۳۔آہنگِ خاطر (غزلیات و نظمیات، گیت، قطعات)	۲۰۱۱ء
۴۔جادہ فکر (غزلیات و نظمیات)	۲۰۱۴ء
۵۔صبحِ کاوش (غزلیات، نظمیات)	۲۰۱۵ء
۶۔دل سے دور نہیں ہو تم (غزلیات و نظمیات)	۲۰۱۶ء
۷۔کتابِ وفا (مجموعہ غزل)	۲۰۱۶ء
۸۔گنجِ آگہی (مجموعۂ غزل)	۲۰۱۶ء
۹۔روح دی روہی (سرائیکی شاعری)	۲۰۱۶ء
۱۰۔جہانِ عقل و جنوں (اردو شاعری)	۲۰۱۷ء
۱۱۔زادِ سخن (اردو شاعری)	۲۰۱۷ء
۱۲۔حسنِ خیال (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء
۱۳۔رتجگوں کا سفر (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء
۱۴۔طرزِ بیاں (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء
۱۵۔عکاسِ احساس (اردو شاعری)	۲۰۱۸ء

۱۶۔نقدِ فکر و نظر (غزل و نظم) ۲۰۱۹ء

۱۷۔ریاضِ دانش (مجموعہ ءغزل) ۲۰۱۹ء

۱۸۔ضیافتِ اطفال (بچوں کیلئے شاعری) ۲۰۱۹ء

۱۹۔شہرِ سخن (مجموعہ ءکلام) ۲۰۱۹ء

۲۰۔نوائے شوق (مجموعہ ءکلام) ۲۰۲۱ء

۲۱۔سک دا سیک (سرائیکی مجموعہ ءکلام) ۲۰۲۲ء

۲۲۔کلیاتِ شبیر ناقِدؔ (اردو، جلد اول) ۲۰۲۳ء

شبیر ناقدؔ کی گراں قدر تحقیقی و تنقیدی تصانیف

۱۔ابوالبیان ظہور احمد فاتحؔ کا کیفِ غزل (شخصیت اور فن)	۲۰۱۳ء
۲۔شاعراتِ ارضِ پاک (حصہ اول) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۳ء
۳۔شاعراتِ ارضِ پاک حصہ دوم) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۳ء
۴۔شاعراتِ ارضِ پاک (حصہ سوم) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۳ء
۵۔نقدِ فن (تنقیدی مضامین)	۲۰۱۴ء
۶۔شاعراتِ ارضِ پاک (حصہ چہارم) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۴ء
۷۔شاعراتِ ارضِ پاک (حصہ پنجم) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۵ء
۸۔شاعراتِ ارضِ پاک (حصہ ششم) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۵ء
۹۔شاعراتِ ارضِ پاک (حصہ ہفتم) تنقیدی مضامین و منتخب کلام	۲۰۱۶ء
۱۰۔تلمیحاتِ فضاؔ اعظمی (تنقید و تحقیق)	۲۰۱۶ء
۱۱۔شاعراتِ ارضِ پاک جامع ایڈیشن (حصہ اول)	۲۰۱۶ء
۱۲۔ابوالبیان ظہور احمد فاتحؔ کا منشورِ نظم (نظمیاتی تجزیہ)	۲۰۱۶ء
۱۳۔میزانِ تنقید (تنقیدی مضامین)	۲۰۱۷ء
۱۴۔تنقیدات (تنقیدی مضامین)	۲۰۱۸ء
۱۵۔سفر نامہ نگاری کے انتقادی امکانات (حصہ اول)	۲۰۱۸ء
۱۶۔شاعراتِ ارضِ پاک (جامع ایڈیشن) جلد دوم	۲۰۱۸ء

۱۷۔فضا اعظمی کی شاعری (تلمیحات کے آئینے میں) اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۹ء

۱۸۔تناظرات (تحقیق وتنقید) ۲۰۲۲ء

۱۹۔ابوالبیان ظہور احمد فاتحؔ کا آئینۂ فکروفن (تحقیق وتنقید) ۲۰۲۲ء

۲۰۔ابوالبیان ظہور احمد فاتحؔ کے تخلیقی خدوخال (تحقیق وتنقید) ۲۰۲۲ء

۲۱۔شاہدہ لطیفؔ کا تخلیقی ارتقا (تحقیقی وتنقیدی تجزیاتی مطالعہ) ۲۰۲۳ء

۲۲۔ابوالبیان ظہور احمد فاتحؔ کی ترجیحاتِ فکروفن (تحقیق وتنقید) ۲۰۲۳ء

۲۳۔ڈاکٹر شہناز مزملؔ کے تخلیقی آفاق واعماق ۲۰۲۳ء

۲۴۔ادبیاتِ ارض پاک (حصہ اول) تحقیق وتنقید ۲۰۲۴ء